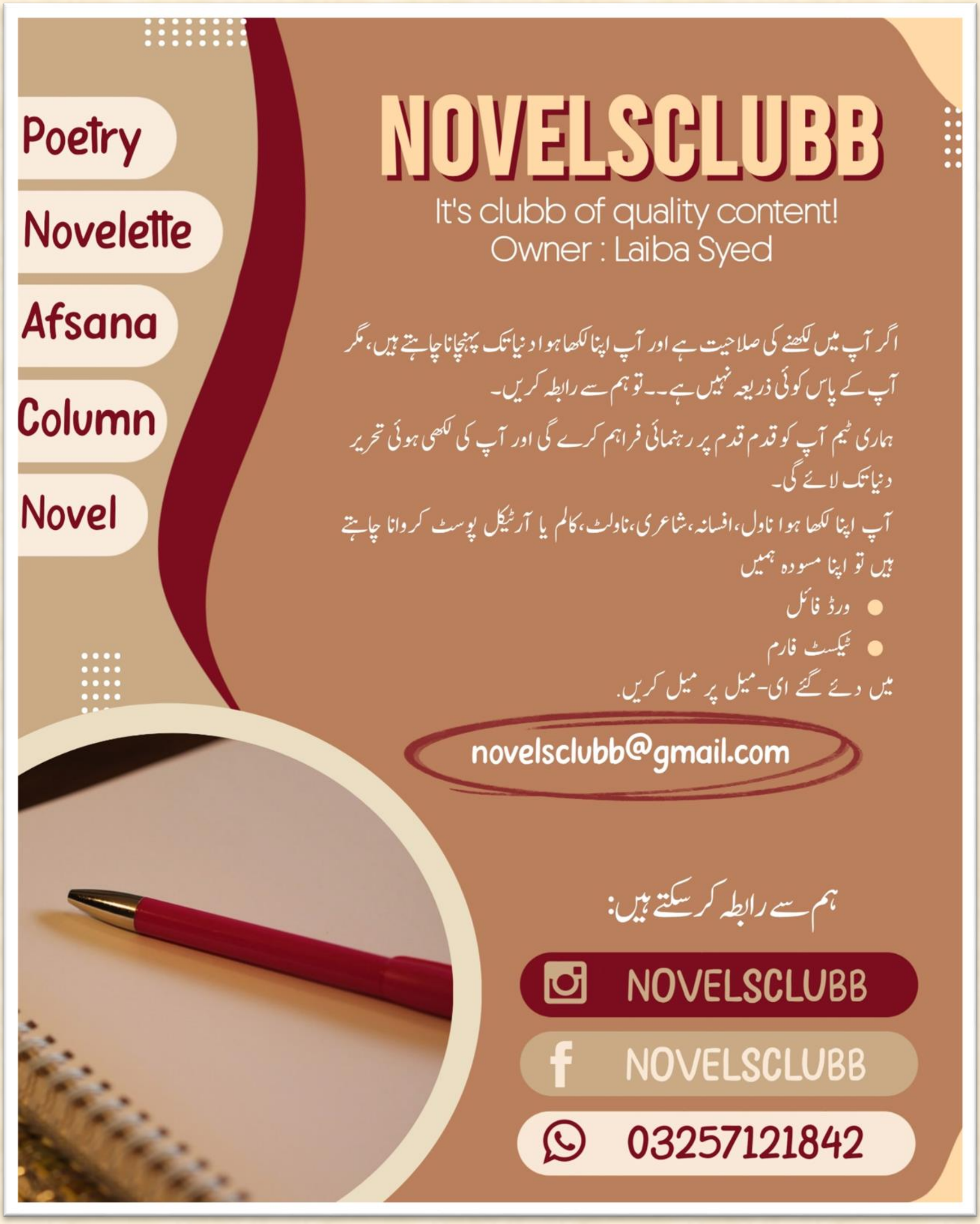
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں۔
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

پسِ آئینہ

از قلم

فاطمہ ملک

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

انتساب

شروع اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے

جس نے مجھے لکھنے کی طاقت سے نوازا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا' مہربان ہے

انسان خود تو کسی بھی قابل نہیں ہوتا۔۔بس یہ میرے اللہ پاک کی ذات ہی ہے جس نے ہر انسان کو کسی نہ کسی خوبی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔کچھ لوگ تو ساری زندگی اپنے اندر کی اس خاص خوبی کو جان ہی نہیں پاتے اور کچھ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے۔وہ زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں خود کے اندر چھپی خوبی کو پہچان لیتے ہیں۔

میں ناول لکھ سکتی ہوں یہ بات میں بہت پہلے ہی جان گئی تھی۔۔کچھ ادھورے،ٹوٹے اور نامکمل جملے میرے دماغ میں گردش کرتے رہتے تھے جو کبھی کبھی مجھے اتنا الجھا دیتے تھے کہ میں انھیں کہیں نہ کہیں لکھ کر سکون محسوس کرتی مگر بعد میں پڑھنے پر محسوس ہوتا کہ یہ تو محض نامکمل اور بے معنی سی چند سطریں ہیں۔

ان ہی ادھورے جملوں اور ارد گرد الجھے بکھرے لوگوں کو دیکھ کر میں لکھنے بیٹھ گئی۔جب میں لکھنے بیٹھی تب میں خود بھی یہ نہیں جانتی تھی کہ میں کوئی ناول یا کہانی لکھ سکتی ہوں یا لکھوں گی مگر شکر الحمد اللہ کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ یہ خوبی خود بخود مجھ سے لکھواتی گئی اور میں

اب تک کئی ناول لکھ چکی ہوں۔

میرے ناول تھوڑے روکھے اور خشک نویت کے ہوتے ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میں اپنے ارد گرد بکھری حیقیقت پر مبنی کہانیوں کو لفظوں کی صورت میں کاغذ پر اتارتی ہوں۔۔

پس آئینہ عکاسی کرتی ہے ان تمام لوگوں کی جو عورت کو کمزور سمجھ کر اس پر مصائب کے پہاڑ ڈھا دیتے ہیں۔۔عورت کمزور نہیں ہوتی بلکہ وہ کمزور خود کو خود بناتی ہے خود کے ساتھ جڑے بہت سے رشتوں کے لئے۔۔کبھی ماں باپ کی عزت تو کبھی بچوں کی محبت۔۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کمزور اور مجبور ہے۔وہ اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ والدین کی عزت اور اولاد کی محبت پر آنچ نہ آئے اس کی خاطر خود سارے مظالم برداشت کر لیتی ہے۔کوئی مرد اتنا مضبوط بن کر دکھائے نا کہ ماں باپ کی عزت یا بچوں کی محبت کی خاطر عورت کی چھوٹی سی غلطی کو معاف کر سکے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ قارئین کو اپنے معاشرے کی کہانی سنا سکوں اور ان حالات

سے گزرتے وقت محسوس ہونے والے درد کو آپ سب تک پہنچا سکوں۔۔اگر میرا لکھا پڑھ کر کوئی ایک انسان بھی اپنا رویہ مثبت کرلے تو میں سمجھوں گی یہ میری کامیابی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میں اس کے ساتھ کتنا انصاف کر پائی ہوں مگر ایک عاجزانہ سی کوشش کی ہے میں نے معاشرتی رویوں کو بیان کرنے کی۔

عمر کے دھاگے میں، جب درد پروئے تھے

ہر زخم الگ رکھا، ہر ٹھیس جدا باندھی

سلطان شہزاد ڈو گر تھکے قدموں اور الجھے دماغ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو اسے اپنے کمرے تک کا راستہ ایک طویل تپتے صحرا کی مانند محسوس ہونے لگا۔اس کا کمرا راہداری سے گزر کر جاتا تھا۔ گھر کا مین دروازہ ایک ہال نما کمرے میں کھلتا تھا جہاں سے باقی سب گھر کو راستہ جاتا تھا۔۔راہداری کے ایک طرف خوبصورت گرین ائیریا تھا جس میں پچاس فیصد اصلی اور خوبصورت ترین پھول اور پودے تھے جبکہ باقی پچاس فیصد پھول اور پودے نقلی ہونے کے باوجود ان پر اصلی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ گرین ائیریا اتنی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا کہ جیسے آپ خوبصورت ناردرن علاقے کی جھیل کے کنارے بیٹھے ہوئے۔ فرش پر

انتہائی خوبصورت رنگ برنگے گول پتھر بچھائے گئے تھے اور ایک طرف اس طرح آبشار گر رہی تھی جیسے یہ بلکل قدرتی ہو۔۔اس کمرے میں میز، کرسیاں اور بینچ ایسے خوبصورتی سے رکھے گئے تھے کہ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی انسان خود کو کسی نیچرل گرین ویلی میں محسوس کرنے لگتا تھا۔۔پاوں میں پڑے پتھر اور ان پر بہتا پانی، ذہن کی ساری تھکاوٹ کو منٹوں سیکنڈوں میں غائب کر دیتا تھا اور داخل ہونا والا ہر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ تمام منظر ایک کمرے میں موجود نہیں بلکہ یہ سب تو اصل میں کی ہے۔

ہال کے ایک طرف بہت بڑا کچن۔۔جبکہ کچن کے ساتھ ہی ڈائنگ روم تھا اور کچن کے ایک کاونٹر سے ڈائنگ روم کو کھڑکی نما جگہ دی گئ تھی تا کہ ملازم وہاں سے باآسانی کھانا لگا سکیں اور گندے برتن بھی واپس رکھ سکیں۔ڈائنگ روم کے ساتھ مہمانوں کو بیٹھانے کے لئے بہت خوبصورت اور آسائش سے آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔۔۔جبکہ گھر کے سب ہی لوگ عام طور پر ہال میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔راہداری کی دوسری طرف کمرے تھے ہر کمرے کے دروازے کے دونوں اطراف میں خوبصورت پھولوں سے سجے گلدان رکھے ہوئے تھے ۔۔۔راہداری کا اختتام شہزادڈوگر کے کمرے پر ہوتا تھا۔۔۔شہزادڈوگر کو اپنے کمرے

میں جانے کے لئے اس طویل راہداری سے گزر کر جانا تھا۔۔۔مین ڈور سے کمرے تک کا سفر اسے اب کئی سالوں سے صدیوں جتنا لمبا اور تھکا دینے والا لگتا تھا۔۔۔شہزاد ڈوگر راہداری سے گزر رہا تھا کہ الیزے کی رس گھوم دینے والی بہت ہی مدھم آواز پر اس کے قدم رک گئے۔یہ آواز سننے کو اس کے کان ترستے تھے۔وہ آواز کا تعاقب کرتے ہوئے بے اختیار سارہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا مگر کچھ فاصلے پر ہی اس کے پاوں رک گئے۔۔۔ایسے جیسے اس کے قدم من من کے ہو گئے ہوں اور سارا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا ۔۔۔چاہ کر بھی اس میں سکت نہ رہی کہ آگے بڑھے۔

پچیس سال بعد اسے اپنی غلطیوں اور گناہوں پر افسوس ہو رہا تھا۔اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں وقت کا پہیہ گھوم نہ جائے۔وہ چاہتا تھا کہ زندگی کو پچیس سال پیچھے کر دے اور اپنی غلطیوں کو سدھار لے مگر ایسا کب ممکن تھا۔

پچیس سال پیچھے:

جب الیزے دلہن بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی۔

الیزے کو وکالت پڑھنے کا بہت شوق تھا۔اس کے والدین کے خیال کے مطابق وکالت

میں لڑکیوں کے لئے کم از کم پاکستان میں تو کوئی مستقبل نہیں تھا۔ الیزے کے خاندان میں ڈاکٹر بننے کا رواج تھا۔ اس کے والد اور والدہ دونوں ہی ڈاکٹر تھے۔ اس کے چاچو اور خاندان کے سب نے ہی میڈیکل کی تعلیم لے رکھی تھی۔ اس کے خوابوں اور وکالت کی طرف اس کے دلی لگاو نے اس کے والدین کو اس کی خواہش کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح الیزے کو وکالت پڑھنے کی اجازت مل گئ۔

آج کا دن:

الیزے سارہ کے سر گود میں رکھے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی کہ "ماں باپ کے گھر اور سسرال میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ماں باپ کا گھر ناز نخرے دکھانے کی جگہ ہوتی ہے، من مانی کرنے اور موج مستی کرنے کی جگہ۔ جب جو دل کیا وہ کر لیا۔۔۔ مگر سسرال میں انسان پابند ہو جاتا ہے۔ ان کے گھر کے ماحول کے مطابق ڈھلنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک انسان کے لئے کوئی بھی اپنے طور طریقے نہیں بدلتا۔ بلکہ اس ایک انسان کو خود کو ان سب کے مطابق بدلنا پڑتا ہے۔"

الیزے کی درد بھری آواز سے لیاقت اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ بے حد اداس اور روئی

ہوئی ہے۔ کچھ دیر رک کر الیزے دوبارہ بولی" تمہیں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اگر ساس کسی بات پر روکے تو بجائے ناراض ہونے یا منہ بنانے کے سمجھنے کی کوشش کرنا کہ وہ بھی ماں ہے اور ماں کبھی بھی بلاوجہ نہیں روکتی ٹوکتی۔"

سلطان شہزاد کے لئے وہاں مزید ٹھہرنا ناممکن تھا۔۔۔ انھیں بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو اس کے کانوں میں اس کی لاڈلی بیٹی کی آواز پڑی "ماما آپ تو کبھی نہیں ڈانٹتیں اور غلطی کرنے پر بھی صرف چند پل کے ناراض ہوتی ہیں۔۔۔ پھر مان بھی جاتی ہیں اور آپ تو کبھی کسی بات سے نہیں روکتی ٹوکتیں۔"

سلطان شہزاد آج خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا" کاش اللہ تعالی نے بیٹیوں کی شادی کا رواج ہی نہ رکھا ہوتا۔ کاش اپنے جگر کا ٹکڑا دوسروں کے حوالے نہ کرنا پڑتا، تو وہ کبھی اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی نہ کرتا۔"

الیزے سارہ کے بالوں کی لٹ ماتھے سے پیچھے ہٹاتی ہوئے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "میری بیٹی تو ہے ہی اتنی سمجھدار کہ وہ کبھی کچھ ایسا کرتی ہی نہیں کہ روکا ٹوکا جائے اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں بھی میری بیٹی کبھی کسی کو شکایت کا موقع

نہیں دے گی۔"

سارہ بہت التجائی انداز میں بولی "ماما پلیز مجھے شادی ہی نہیں کرنی۔۔۔مجھے میرے اپنے گھر میں آپ کے۔۔۔بابا کے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنا ہے"

سلطان شہزادی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔۔اس سے پہلے کہ الیزے کچھ کہتی لیاقت نے سارہ کو آواز دی "کہاں ہے میری لاڈلی اسے آج اپنے بابا کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی"

سارہ چھوٹے بچوں کی طرح بے اختیار دروازے کی طرف لپکی۔۔۔سارہ کے کمرے سے نکلتے ہی الیزے اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھی مگر ایک دم سے وہیں صوفے پر تقریبا گر سی گئی۔الیزے کی آنکھ میں کوئی ٹھہرا ہوا آنسو تھا جو نہ پیا جا رہا تھا اور نہ گر رہا تھا۔۔۔ایک گلٹی سی اس کے حلق میں ٹھہر گئی۔

پچیس سال پہلے:

الیزے کو یاد آیا کہ پچیس سال پہلے یہی جملہ اس نے اپنی ماں سے کہا تھا۔"امی مجھے اپنے پاس اپنے گھر میں رہنے دیں"۔بہت روئی تھی اور بہت منتیں کیں تھیں اس وقت اس

کی ماں اتنی ہی بے بس تھی جتنی آج وہ بے بس ہے۔اس وقت اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ "ماں کیسے بے بس اور مجبور ہو سکتی ہے۔اسے لگتا تھا کہ مان سے زیادہ طاقتور دنیا میں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا" آج اسے سمجھ آ گئی تھی کہ وقت ماں کو بہت مجبور اور بے بس بنا دیتا ہے۔یہ بات سمجھنے میں اسے پچیس سال کا سفر طے کرنا پڑا۔مگر ایک سوال کا جواب تو پچیس سال بھی اسے نہیں ملا تھا کہ آخر کونسا گھر اس کا اپنا تھا۔"

سلطان کی آواز سن کر محسن اور حسن بھی آ گئے۔محسن باپ کے لئے پانی لے کر آیا اور حسن سلطان کے جوتے اتارنے لگا۔گھر میں ملازموں کی فوج ہونے کے باوجود یہ الیزے کی تربیت ہی تھی کہ بچے باپ کا کام خود کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔سلطان شہزاد ڈوگر بہت سی شوگر ملز اور سٹیل ملز کا مالک تھا۔

پڑھائی کا اسے کچھ خاص شوق نہیں تھا۔سلطان شہزاد ڈوگر اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا اور چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔سلطان کے والد نے سلطان کے علاوہ اپنی تمام بیٹیوں کو ایک ایک شوگر مل اپنی زندگی میں ہی دی تھی تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا ہی نہ ہو۔سب نے اپنی اپنی کوشش سے کاروبار کو بڑھایا یا گھٹایا تھا۔شہزاد ایک بہت کامیاب انسان تھا۔مگر ساتھ

میں بہت مغرور اور گھمنڈی بھی۔ سلطان اپنے نام کی طرح کاروبار کی دنیا کا بھی سلطان تھا۔ وہ اکثر کہتا تھا کہ "دنیا میں کچھ بھی ایسا نہیں جو سلطان شہزادڈوگر کے لئے ناممکن ہو" بڑے بڑے سیاست دان اور بیوروکریٹ اس سے ملاقات کے منتظر رہتے تھے۔ سارہ کے لئے بھی سلطان نے بزنس کی دنیا میں ابھرتے ہوئے لڑکے کا انتخاب کیا جس کی نہ صرف تعلیم بلکہ ذہانت بھی کاروباری دنیا میں بہت مشہور ہو رہی تھی۔ "شافع شیرازی"۔۔۔ شافع شیرازی ریٹائرڈ کرنل انور شیرازی کا بیٹا تھا۔ کرنل انور شیرازی سے سلطان شہزادڈوگر کی ملاقات سوئٹزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں ہوئی تھی۔۔۔ باتوں باتوں میں ریٹائرڈ کرنل کے بیٹے کا بھی ذکر ہوا اور شہزادڈوگر نے اپنے خاص جاسوس کو شافع شیرازی کے بارے میں ساری معلومات اکٹھی کرنے کے لئے کہا۔ جب دونوں خاندانوں کی اپنی اپنی انکوائری مکمل ہو گئی تو شہزادڈوگر نے اپنی بیٹی سارہ کا رشتہ ریٹائرڈ کرنل انور شیرازی کے بیٹے شافع شیرازی سے طے کر دیا۔

سارہ حال ہی میں ڈینٹل ڈاکٹر بنی تھی، دو سال قبل شہزادڈوگر کے ایک دوست نے پوچھا تھا کہ "بیٹی کا کہیں رشتہ کیا ہے؟؟"

شہزاد ڈوگر کو اس کی بات پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا کہ میری بیٹی تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔ گھر آ کر اس نے اپنی والدہ سے ذکر کیا تو وہ ہنس دیں اور بولیں "چوبیس سال کی تو ہو گئ ہے سارہ، چھوٹی نہیں ہے، اس کے رشتے تو اب آئیں گے۔ اس میں برا منانے کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اب اپنے حلقہ احباب میں اچھے لڑکوں پر نظر رکھنا شروع کرو۔"

پچیس سال پیچھے:

پچیس سال پہلے جب الیزے دلہن بن کر آئی تھی تب وہ بھی چوبیس سال کی تھی۔ سلطان شہزاد ڈوگر اس سے آٹھ سال بڑا تھا۔ شہزاد کی والدہ (بلقیس ڈوگر) کی اپنے علاج کے سلسلے میں الیزے کی والدہ مسز مریم عباسی سے ملاقات ہوئی۔ مسز مریم عباسی ایک بہت قابل ڈاکٹر تھیں اور شہزاد ڈوگر کی والدہ کو ان سے علاج کروا کر اپنی صحت میں کافی بہتری محسوس ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر مریض کا رشتہ دوستی میں بدلنے لگا۔ مسز بلقیس ڈوگر اس دوستی کو ہسپتال کی حد تک محدود نہیں رکھنا چاہتی تھیں اسی لئے گرمیوں کی ایک دوپہر بلقیس ڈوگر نے مسز مریم عباسی (الیزے کی والدہ) کو فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی۔ وہ

پہلی بار گھر آ رہیں تھیں اور وہ بھی اپنے شوہر فیصل شہزاد ڈوگر کے ساتھ۔ یہ بات مریم عباسی کو بہت عجیب لگی مگر دوستی ہونے کی وجہ سے منع کرنا بھی مناسب نہ لگا۔

الیزے سب سے بڑی بیٹی تھی۔ بہت موڈی، نخریلی اور اتنی لاڈلی کہ باپ کو اس کی خواہش کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑا تھا کہ وہ خاندانی میڈیکل کی فیلڈ چھوڑ کر وکالت پڑھ لے۔ گندمی رنگت، گھنے مگر لمبے گنگھریلے کمر تک جاتے کالے بال، گول گول سیاہ آنکھیں ایسی کہ ان میں ڈوب جانے کو دل کرے، پانچ فٹ دو انچ قد اور میک اپ یا کسی بھی مصنوعی تیاری سے پاک۔ بلکل سادہ سی رہنے والی یہ لڑکی الیزے ایسی تھی کہ جو کوئی بھی دیکھتا پہلی بار میں ہی اس کی معصومیت اور سادگی کے حصار میں قید ہو جاتا۔ الیزے کی والدہ نے اپنے شوہر معظم عباسی سے کئی مرتبہ بلقیس اور اس کے شوہر فیصل شہزاد ڈوگر مرتبہ غائبانہ ذکر کر رکھا تھا۔۔ مریم عباسی کی پریشانی پر معظم عباسی سمجھانے والے انداز میں بولے "تمہارا کونسا ڈاکٹر مریض کا رشتہ ہے۔۔ جب کسی سے دوستی کی جاتی ہے تو اسے گھر بلایا بھی جاتا ہے اور اس کے گھر جایا بھی جاتا ہے۔۔ اس میں پریشانی والی کونسی بات ہے۔ بس تم اپنی طرف سے اچھی خاطر مدارت کا بندوبست کرنا"

مریم عباسی نے بہت خاص ڈنر کا بندوبست کیا۔ وعدے کے مطابق مسز بلقیس ڈوگر اپنے شوہر کے ساتھ پورے آٹھ بجے پہنچ گئیں۔ بہت شاندار قسم کا استقبال کیا ڈوگر کپل کا مسٹر اور مسز معظم عباسی نے۔ ڈنر کے بعد مسز ڈوگر نے بچوں سے ملاقات کا ذکر چھیڑا تو مریم عباسی نے ملازم کو تینوں بچوں الیزے، عمیر اور عمر کو بلانے کے لئے کہا۔ کالے رنگ کا سادہ سا سوٹ پہنے، کانوں میں چھوٹی چھوٹی سونے کی بالیاں، ناک میں ہیرے کی چمکتی لونگ، لمبے کالے کنگھریلے بالوں کا الجھا گھلجا سا جوڑا، اور موٹی موٹی کالی آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت بھری الیزے جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو مسز ڈوگر کا منہ کھلا کا کھلارہ گیا۔ ایسے جیسے خوبصورتی، معصومیت اور شرارت کا مجسمہ ایک ساتھ انھوں نے پہلی بار دیکھا ہو۔ فیصل ڈوگر ایک پڑھے لکھے اور ذہین انسان تھے۔ الیزے سے اس کی پڑھائی اور مشغلوں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ مسز ڈوگر تو بس الیزے کو دیکھتی رہیں۔ جب بھی بات کرتے ہوئے الیزے کی نظر ان کی نظروں سے ٹکراتی تو وہ مسکرا دیتیں۔

آج کا دن:

سلطان ڈوگر اپنے خوبصورت کمرے میں آکر آنکھیں بند کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے کئی سال پیچھے چلا گیا جب وہ بڑے دونوں بچوں کی پیدائش کے بعد کئی کئی ماہ گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ وہ شادی کے بعد بہت بار الیزے کو بات بے بات تھپڑ مار چکا تھا۔ اپنی ہر غلطی کا قصوروار وہ ہمیشہ ہی الیزے کو ٹھہرا کر اس پر چلانا اور پھر اس کی صفائی دینے پر اسے اور مارتا۔ آنکھیں بند کئے اپنے آنسوؤں کو باہر گرنے سے روکتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ "کیوں ماضی کی غلطیاں آج اسے پریشان کر رہی ہیں۔ کیوں اس کا کلیجہ حلق کو آرہا ہے۔ کیوں کوئی انجانہ سا خوف اسے اندر ہی اندر کھا رہا ہے؟؟"

زارا نے کئی بار سلطان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی بھی جواب نہ ملنے پر وہ اندر آ گئی۔۔۔ سلطان اپنے ماضی میں ایسا گم تھا کہ اسے دروازہ کھلنے کی بھی آواز کا پتا نہ چلا۔۔۔ اس کے سامنے کھڑی زارا اسے آواز دے رہی تھی۔۔۔ "بابا۔۔۔ بابا جانی آپ ٹھیک ہیں نا؟؟"

زارا کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور بیٹی کو سامنے پریشان دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "جی بابا کی جان میں بلکل ٹھیک ہوں۔۔۔ بس تھوڑا تھک گیا

ہوں"

شہزاد کا جواب سن کر زارا کو محسوس ہوا کہ کوئی بات تو ہے جس پر اس کے بابا بہت زیادہ پریشان ہیں اور اس سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

زارا شہزاد کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی "آپ اس لئے پریشان ہیں کہ سارا آپی چلی جائیں گی"

شہزاد زارا کے سر پر پیار دیتے ہوئے مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا "بلکل بھی نہیں۔۔۔ میں اس بات پر کیوں پریشان ہونے لگا۔۔۔ وہ کونسا ہم سے دور جا رہی ہے۔۔۔ میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ سارا کے جانے کے بعد میری پیاری سی بیٹی کو محسن اور حسن کی شرارتوں سے کون بچائے گا؟"

زارا سلطان کی بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی "بابا آپ اس بات پر بلکل پریشان مت ہوں بلکہ یہ سوچیں کہ محسن بھائی تو میری سائیڈ لیتے ہیں تو حسن کو کون بچائے گا؟؟"

زارا کی بات پر سلطان بھی بے اختیار مسکرا دیا۔۔۔ اسے

مسکراتے دیکھ کر زارا ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور فر فر بولنے لگی "بابا جانی آپ کو کب سے دادو بلا رہیں تھیں اب انھوں نے مجھے بھیجا ہے آپ کو بلانے کے لئے اور میں بھول ہی گئی۔۔دادو مجھ سے خفا ہو جائیں گی"

زارا کو پریشان دیکھ کر سلطان مسکراتے ہوئے بولا "دادو آپ چاروں سے کبھی خفا ہو ہی نہیں سکتیں۔ آپ چاروں بہن بھائی تو ان کی جان ہو، پریشان مت ہو۔"

پھر منہ میں بڑبڑایا بلکہ وہ تو کبھی تمہاری ماما سے بھی ناراض نہیں ہو سکتیں"

سلطان کی بڑابڑاہٹ سنے بنا ہی زارا مسکراتے ہوئے بولی "بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ بابا جانی"

شہزاد ڈو گر زارا کو یہ نہ بتا سکا کہ اس کو ماضی میں کی گئی زیادتیاں ستا رہی ہیں۔۔۔اسے یہ خوف ہے کہ اس کی لاڈلی بیٹی سارا اس سب سے نہ گزرے جس سے الیزے گزری تھی یہی ڈر اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔ اس نے

زارا سے کہا "میں فریش ہو کر آتا ہے بیٹا آپ تب تک ملازمہ سے کہو کہ میرے لئے بلیک کافی بنا دے۔ میں آپ کی دادو کے ساتھ ہی پیئوں گا"

زارا تو "جی باباجانی" کہہ کر وہاں سے چلی گئ مگر سلطان اپنی جگہ سے اٹھ نہیں پایا۔اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور اس کے سامنے مسکراتی الیزے کا چہرا ایک دم روتا ہوا ابھرا ۔۔۔اس پر کپکپی طاری ہو گئ۔۔۔مزید دیر آنکھیں بند کرنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اٹھا اور واش روم چلا گیا تاکہ فریش ہو کر اماں کی بات سن لے۔

سلطان فریش ہو کر اپنی والدہ بلقیس ڈوگر کے پاس آیا تو انھوں نے اس سے لسٹ مانگی شادی میں آنے والوں مہمانوں کی تاکہ چار پانچ ملازموں کو کارڈ لکھنے کے کام سونپا جا سکے۔ ساتھ میں بیٹے سے پوچھنے لگیں کہ مزید کیا کیا کام رہ گئے اور انھیں کیسے ترتیب دینا ہے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے سلطان کو بتایا کہ الیزے سارہ کا عروسی جوڑا ڈیزائنر سے لے آئی ہے اور اس نے پالر سے دونوں دنوں کا ٹائم لے لیا ہے۔اس لئے تم اس سب کی اب فکر مت کرنا۔۔

الیزے کے ذکر پر سلطان کی آنکھوں میں ہمیشہ ہی عجیب سا خوف پھیل جاتا تھا۔بلقیس ابھی بات کر رہی تھیں کہ ملازمہ (پروین) نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔۔۔پروین چائے،کافی اور اس کے ساتھ کھائے جانے والے لوازمات ٹرالی میں سجا کر لائی تھی۔اس

کے سر میں ایک دم اتنی درد ہوئی جیسے کہ سر کی کوئی نس ہی پھٹ جائے گی اس نے ملازمہ سے پین کلر لانے کے لئے کہا۔

الیزے کا کمرا دوسری منزل پر تھا۔۔۔اس کا کمرا کافی بڑا اور خوبصورت بنا ہوا تھا۔۔۔ کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ اور باتھ روم اور کمرے کے درمیان ڈریسنگ روم جس کے تین اطراف میں شیشے کے دروازوں والی الاریاں تھیں۔۔۔ کمرے کے ایک طرف قد آدم کھڑکی تھی جس سے میں گیٹ اور سامنے کا سارا منظر نظر آتا تھا جبکہ باغ کی طرف بہت بڑا ٹیریس تھا۔۔۔ٹیریس میں بانس کے دو صوفے اور ایک میز رکھی تھی۔۔۔ کمرے میں دو دیواریں بک شیلف کی شکل کی بنائیں گئیں تھیں جو چھت سے لے کر زمین تک کتابوں اور فائلز سے بھری ہوئیں تھیں۔۔۔اس کے علاوہ اسٹڈی ٹیبل کے دراز بھی فائلز سے بھرے ہوئے تھے۔۔۔

عشاء کی نماز پڑھتے ہوئے الیزے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور نماز کے بعد وہ تسبیح پڑھنے لگی۔۔۔اسے اللہ تعالی سے بہت کچھ مانگنا تھا۔اپنی لاڈلی بیٹی کے مستقبل کے لئے بہت سی خوشیاں اور ہر غم کو اس سے دور کرنے کی فریاد کرنی تھی۔۔۔اپنے ارد گرد سے

بے خبر تسبیح پڑھنے میں وہ اتنی مشغول تھی کہ اسے پتا ہی نہ چلا رات کا ایک بج گیا۔ اس نے اپنے کمرے میں بجلی سے چلنے والی کیتلی رکھی ہوئی تھی اور چائے کافی کا سارا سامان اس کے کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس نے پانی گرم کیا اور چائے بنا کر ٹیریس پر چلی گئ۔

ٹیریس پر کھڑی نیچے باغ کو دیکھ کر الیزے سوچ رہی تھی "باغبان کا کام تو باغ کو مکمل دلجوئی اور محبت سے دیکھ ریکھ کرنا ہے۔ اس کے بعد ان کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ تعالی کا ہے۔ میں نے بھی مکمل ایمانداری سے اپنے باغ کے پھولوں کی دیکھ ریکھ کی ہے، اب آگے تو سب اللہ تعالی کا کام ہے۔"

پچیس سال پہلے:

وکالت الیزے کا شوق تھا اس لئے اس نے بہت دل سے پڑھائی کی۔ ہر بار ہر امتحان میں اعلی نمبر لئے اور اسے ہر بار اچھی کارگردگی کی وجہ سے وظیفہ لگ جاتا۔ الیزے کا ابھی ایک سال باقی تھا جب مسز ڈوگر نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ انھیں تو اتنی پسند آئی کہ انھوں مریم عباسی کے گھر بیٹھے ہی اپنے شوہر فیصل ڈوگر سے آہستہ سے کہا "یہ لڑکی میرے دل میں اتر گئ ہے۔۔۔ یہ ہمارے بیٹے سلطان کے ساتھ بہت اچھی لگی گی۔ میں اس کی والدہ سے

بات کروں۔"

فیصل ڈوگر ایک زمانہ شناس انسان تھے۔۔۔انھیں اپنی بیوی کی بے صبری پر حیرت ہوئی اور افسوس بھی۔انھوں نے اس وقت بلقیس کو روک دیا کہ "پہلی بار آئیں ہیں۔۔۔ایسے مناسب نہیں لگتا۔"

اس دن مسز بلقیس ڈوگر خود تو وہاں سے چلی گئیں مگر وہ اپنا دل وہیں کہیں چھوڑ گئیں۔ واپسی پر گھر کے سارے راستے وہ الیزے کی ہی باتیں کرتی رہیں اور گھر آ کر کئی دن وہ الیزے کے قصیدے سب کو سناتی رہیں۔

سلطان شہزاد ڈوگر اور الیزے ایک گھر میں ایک چھت کے نیچے رہ ضرور رہے تھے مگر پچھلے اکیس سال سے ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔اکیس سال پہلے سلطان شہزاد ڈوگر نے اپنے سارے غرور اور تکبر کے ساتھ الیزے کو "طلاق" دے دی تھی۔اس کا خیال تھا کہ الیزے اس کے آگے روئے دھوئے گی اور اس کے قدموں میں گر جائے گی۔مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ "عورت محبت ٹوٹ کر کرتی ہے۔انتظار بھی کرتی ہے۔بے

رخی، لاپرواہی سب برداشت کرتی ہے۔ لیکن عورت جب ایک دفعہ پرواہ کرنا چھوڑ دے تو آپ چاہے اس کے قدموں میں گر جاؤ وہ پرواہ نہیں کرتی۔ عورت دل سے اتارنے میں بہت وقت لیتی ہے لیکن جب ایک بار کوئی اتر جائے تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سامنے والے سے کیا رشتہ تھا اور وہ کتنا خاص تھا، وہ مڑ کر نہیں دیکھتی۔"

سلطان ڈوگر الیزے کو ایک ڈرپوک عورت سمجھتا رہا جو اس کے کھو جانے کا سوچ کر بھی ڈر جاتی تھی۔

پچیس سال پہلے:

مسز ڈوگر بہت بے چین تھیں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ الیزے کا رشتہ ان سے پہلے کوئی اور مانگ لے۔ گھر آتے ہی انھوں نے بیٹیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے شوہر فیصل ڈوگر کو منایا کہ وہ ایک بار بیٹیوں کو بھی الیزے سے ملوانا چاہتی ہیں۔ الیزے فیصل ڈوگر کو بھی بہت اچھی لگی تھی اس لئے انھوں نے بھی حامی بھر لی۔ تمام رات بہت بے چینی میں گزارنے کے بعد الصبح بلقیس ڈوگر نے مسز مریم عباسی کو فون کیا اور اگلے ہفتے ہی دوبارہ

ان کے گھر جانے کی بات کی۔ مسز مریم عباسی کچھ حیران تو ہوئیں مگر بلقیس ڈوگر کا انداز ایسا تھا کہ منع نہ کر سکیں۔

بلقیس ڈوگر اپنی بڑی دونوں بیٹیوں کو جو کہ شادی شدہ تھیں بھی ساتھ میں لائیں اور بہانہ یہ بنایا کہ وہ الیزے سے ملنا چاہتی ہیں۔ جب وہ لوگ الیزے کے گھر پہنچے تو الیزے گھر نہیں تھی۔ کالج میں سمینار تھا تو لیٹ ہو گئی تھی۔ الیزے کو گھر آتے ہی ملازمہ سے پتا چلا کہ مریم عباسی کی دوست اپنی بیٹیوں کے ہمراہ آئی ہوئی ہیں اور کئی بار الیزے کا پوچھ چکی ہیں تو وہ کتابیں ہاتھ میں تھامے ویسے ہی ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ لمبے کنکھریلے بالوں کی سانپ کی طرح کمر پر پھرتی چٹیا، سفید شلوار اور سفید دوپٹے کے ساتھ میرون قمیض، چھوٹی چھوٹی سی سلور بالیاں پہنے میک اپ سے عاری الیزے اپنی سادگی کی وجہ سے بہت حسین لگ رہی تھی۔۔۔

بلقیس ڈوگر نے اسے اپنے پاس بیٹھا لیا اور اس کی پسند اور شوق کے بارے میں جاننے لگیں۔ کچھ دیر ان سب کے ساتھ بیٹھنے کے بعد الیزے معذرت کر کے چلی گئی کہ اسے کل کے لئے پیر اذنٹیشن تیار کرنی ہے۔ بلقیس ڈوگر نے بیٹیوں کی آنکھوں میں الیزے کے

لئے پسندیدگی دیکھ لی تھی۔ وہ کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد گھر چلی گئیں۔ گھر آکر بہنوں نے اپنے لاڈلے بھائی کے سامنے الیزے کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے۔ پہلے دن رات ماں سے اس لڑکی کی تعریفیں اور اب بہنوں سے بھی سننے کے بعد اس نے شرط رکھی کہ پہلے وہ خود دیکھے گا اس لڑکی کو۔۔۔ اس کے بعد رشتے کی بات کی جائے۔ مگر سلطان شہزاد ڈوگر کو الیزے سے کیسے ملایا جائے یہ ایک مسئلہ تھا۔ بہت سوچنے کے بعد بلقیس نے اس کا حل بھی نکال لیا۔

اگلے دن فون کال پر باتوں باتوں میں بلقیس ڈوگر نے مریم عباسی سے الیزے کے کالج کے بارے میں کافی کچھ جان لیا اور عین اس کی چھٹی کے وقت وہاں پہنچ گئیں، گاڑی سائیڈ پر لگا کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ جیسے ہی الیزے باہر نکلی مسز بلقیس نے شہزاد کو گاڑی آگے کرنے کے لئے کہا اور گاڑی شہزاد نے ایسے الیزے کے پاس جا کر روکی کہ جیسے کہیں جا رہے ہوں اور الیزے کو دیکھ کر ایک دم رک گئے ہوں۔ بلقیس گاڑی سے اتریں اور الیزے کے ساتھ بہت محبت اور تپاک سے ملیں۔ نیوی بلیو سوٹ کے ساتھ اف وائیٹ دوپٹہ، بالوں کو گردن کے پاس سے پونی سے باندھ کر کھلا چھوڑا ہوا جو ہوا سے اڑ

کر منہ پر آتی لٹ کو بار بار پیچھے کرتی الیزے شہزاد ڈوگر کے دل کو چھو گئی۔ الیزے اس بات سے بے خبر تھی کہ کوئی اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ وہ بلقیس سے مل کر اپنی گاڑی کی طرف جانے لگی تو بلقیس کی آواز نے اسے روک لیا۔ "سوئیٹی آپ کو کسی سے ملوانا چاہتی ہوں"

الیزے بلقیس ڈوگر کے سوئیٹی اور جانی کہنے کے انداز سے اب تک تو واقف ہو چکی تھی مگر حیران اس بات پر ہوئی کہ "کس سے ملوانا ہے؟؟"

وہ کچھ پوچھتی اس سے پہلے بلقیس نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا جیسے گاڑی میں بیٹھے شخص کو بلا رہی ہو۔ الیزے نے دیکھا چند ہی سیکنڈ کے بعد گاڑی سے ایک سفید شلوار قمیض میں جوان نکلا جس کا قد تقریباً چھ فٹ دو انچ ہو گا، چھوٹی چھوٹی ہلکی بھوری آنکھیں، سنہرے اور بھورے مکس بال اور ویسی ہی سنہری اور بھوری مکس مونچھیں۔ مونچھوں کی تراش خراش سے وہ شخص کافی مغرور قسم کا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر چند سیکنڈ بعد مونچھوں کو دو انگلیوں سے مروڑنا جیسے اس کی عادت ہو۔ اس میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ الیزے نے دو تین بار اس کی طرف بے اختیاری میں دیکھا۔ الیزے نے سوالیہ نظروں سے بلقیس کی طرف دیکھا، جیسے پوچھنا چاہ رہی

ہو کہ یہ کون ہے ؟وہ مسکراتی ہوئے بولیں "الیزے اس سے ملو یہ میرا بیٹا سلطان شہزاد ڈوگر "اور پھر شہزاد ڈوگر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں "جانی یہ میری بہت ہی خاص دوست مسز عباسی کی بیٹی الیزے۔"

الیزے نے مسکراتے ہوئے سلام کیا تو شہزاد ڈوگر نے اس سے زیادہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا" آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی "اس بات کے جواب میں الیزے صرف مسکرائی اور ساتھ ہی معزرت کر لی کہ "اسے جانا ہو گا اگر وہ لیٹ ہو گئ تو اس کی والدہ پریشان ہوں گی"

الیزے وہاں سے چلی گئ مگر شہزاد ڈوگر بہت دیر تک اس کو جاتے دیکھتا رہا۔ اسے ارد گرد کا احساس ہی نہ رہا۔یہاں تک کہ بلقیس نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی۔ شہزاد ڈوگر ایک دم چونک گیا اور بلقیس کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔الیزے نے گھر آکر اپنی والدہ کو جب بلقیس اور ان کے بیٹے کے بارے میں بتایا تو وہ تھوڑی پریشان ہو گئیں مگر انھوں نے الیزے سے اپنی پریشانی چھپالی۔۔۔

گھر کے راستے میں ماں بیٹا خاموش رہے۔ گھر پہنچ کر بلقیس نے بیٹے سے سوال کیا "اب بتاؤ الیزے کیسی لگی تمہیں ؟؟"

شہزاد ڈوگر نے مسکراتے ہوئے .بہت رازداری سے اپنی ماں کے کان میں "الیزے نام .بہت ہی زیادہ خوبصورت ہے اور الیزے نام کی لڑکی بلکل اپنے نام کی طرح ہے "اتنا کہہ کر مسکراتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔۔۔ماں بیٹے کے اپنی پسند کا اظہار کرنے کے انداز پر مسکرا دی۔ فیصل ڈوگر گھر آئے تو بلقیس کو ہمیشہ سے زیادہ خوش مگر بے چین پایا۔۔۔ اس سے پہلے کہ وجہ پوچھتے بلقیس خود ہی بول پڑی "شہزاد کو الیزے .بہت پسند آئی۔" فیصل ڈوگر اپنی بیوی کو اس قدر خوش دیکھ کر خوش ہو گئے۔

بلقیس نے فیصل ڈوگر سے مشورہ کر کے مریم عباسی کو ساری فیملی کے ساتھ ہفتے کی شام کھانے پر مدعو کیا۔ مریم نے .بہت منع کرنے کی کوشش کی مگر بلقیس کے بے حد اصرار کرنے پر انھوں نے حامی بھر لی۔ مریم کو بلقیس کا بار بار تھوڑی ہی مدت میں ملاقات کرنا .بہت عجیب لگا۔ انھوں نے اس بات کا ذکر عباسی صاحب کے سامنے کیا تو وہ

مسکراتے ہوئے بولے "دوستی میں ملنا ملانا تو ہوتا ہے۔۔ مجھے تو اچھے لوگ لگے۔۔ تم کسی طرح کے خدشات کو دل میں جگہ مت دو"

<u>ہفتے کی شام:</u>

ہفتے کے دن سوائے الیزے کے باقی سب ہی مقررہ وقت پر ڈوگر ہاوس پہنچ گئے۔ ڈوگر فیملی نے بہت خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔ الیزے کو نہ پا کر بلقیس نے کہا "آپ مہمان خصوصی کو نہیں لائے تو محفل کا کیا مزا آئے گا۔"

مریم عباسی اس جملے پر الجھ سی گئیں اور انھیں الجھا ہوا سب نے محسوس کر لیا۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے کہا "اصل میں ساری رونق بچیوں سے ہی ہوتی ہے اور میری چھوٹی دونوں بیٹیاں الیزے سے ملنا چاہتی تھیں وہ ابھی تک ملی نہیں ناں" اس بات کے جواب میں سب نے ہاں میں ہاں ملائی اور مریم عباسی نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ "الیزے کی کسی دوست کی بہن کی مہندی تھی اس کا وہاں جانا ضروری تھا"

کچھ دیر گپ شپ کا دور چلا اور پھر مسز ڈوگر نے انٹر کوم پر باروچی کو کھانے لگانے کا حکم دیا اور خود معذرت کر کے سارے انتظامات دیکھنے چلی گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد بلقیس واپس آ کر

سب کے ساتھ دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ مریم عباسی نے دل کھول کر ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کی تعریف کرتے ہوئے بلقیس کہا "بہت نفاست سے ہر چیز کا انتخاب کر رکھا ہے آپ نے۔ بہت عمدہ ذوق ہے آپ دونوں کا"

بلقیس تو محض مسکرا دیں مگر فیصل ڈوگر بولے " گھر کی دیکھ ریکھ اور سجاوٹ تو سب بلقیس ہی کرتی ہے میرے پاس تو اتنا وقت ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ مجھ سے تو اس بات پر اکثر ناراض ہی ملتی ہیں کہ میں گھر کو بلکل بھی وقت اور توجہ نہیں دیتا"

یہ بات سنتے ہی معظم عباسی نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دل کا حال بیان کرتے ہوئے کہا" کچھ ایسی ہی شکایات ہماری بیگم کو بھی ہیں۔۔۔ لگتا ہے ساری بیویوں کو ایسی ہی شکایات ہوتی ہیں۔"

معظم عباسی کی اس بات پر سب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ دس منٹ کے اندر ڈرائنگ روم تک مزے مزے کے کھانوں کی خوشبو آنے لگی۔ ملازمہ نے آکر کھانا لگ جانے کی اطلاع دی اور فیصل ڈوگر سب سے آگے ڈائینگروم (کھانے کے کمرے) کی طرف سب کی رہنمائی کرتے ہوئے چلنے لگے۔ جبکہ بلقیس سب سے پیچھے تھیں۔ ڈرائنگ روم کی طرح

Clubb of Quality Content

کھانے کا کمرا بھی بہت قیمتی فرنیچر، عمدہ ہاتھ کے بنے قالین اور بہت نفیس و اعلی ڈیکوریشن سے سجا ہوا تھا۔ میز پر کم از کم دس طرح کے کھانے اور اتنے ہی قسم کے سلاد موجود تھے۔

معظم عباسی نے ایک نظر کھانے کی میز پر ڈالی اور دوسری اپنی بیوی مریم عباسی پر۔ مریم عباسی نے بلقیس کو مخاطب کر کے کہا "آپ نے بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔۔۔ اتنا تکلف نہ کرتیں تو بہتر تھا"

بلقیس مسکرا دی اور مریم عباسی کی آنکھوں میں غور سے دیکھتی ہوئی بولی "خاص لوگوں کے لئے خاص اہتمام ہی کیا جاتا ہے اور آپ بہت خاص ہیں میرے لئے۔ میری محسن ہیں، میری معالج ہیں اور سب سے بڑھ کر میرے دل کے بہت قریب ہیں"

مریم عباسی مسکرا دیں اور شکریہ ادا کرتی نگاہوں سے بلقیس کی طرف دیکھا۔ ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ کھانے کے کمرے میں سلطان داخل ہوا جو اپنے قد و قامت کی وجہ سے ہر کسی کی توجہ کی وجہ بن جاتا تھا۔ سفید شلوار قمیض کے ساتھ کامدار پشاوری چپل پہنے بہت بارعب اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ بلقیس ڈوگر نے مسکراتے ہوئے تعارف

کرواتے ہوئے کہا" یہ ہے ہماری سلطنت کا اکلوتا اور لاڈلا شہزادہ سلطان شہزاد ڈوگر ہے۔"
سلطان اپنی نام کی طرح کسی سلطنت کا سلطان ہی لگ رہا تھا۔۔

سلطان نے نہایت محبت اور خوش دلی سے سب کو سر جھکا کر سلام کیا اور پھر آگے بڑھ کر معظم عباسی سے ملا۔ الیزے کے دونوں بھائی عمر اور عمیر سے بھی اچھے طریقے سے ملاقات ہوئی۔ شہزاد کی آنکھیں الیزے کو تلاش رہی تھیں، اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں سے سوال کر ڈالا۔ بلقیس ایک بہت سمجھدار عورت تھی بیٹے کو اس کی بات کا جواب کچھ اس طرح دیا کہ بات کا رخ بدلتے ہوئے بولیں" آپ نے بہت زیادتی کی الیزے کو نا لا کر۔۔۔ عطیہ اور رداد دونوں کو ہی الیزے سے ملنے کا بہت شوق تھا۔"

ساری صورت حال سے بے خبر مریم عباسی جو کھانے میں مشغول تھیں بولیں" اس کی دوست کی مہندی کا تو دو ہفتے پہلے سے پتا تھا اور مجھے بھی اس کے ساتھ جانا تھا۔ مگر آپ کے اصرار پر میں آپ کو منع نہیں کر سکی اور اسے اکیلی کو جانا پڑا۔"

بلقیس ڈوگر یہی چاہتی تھیں کہ شہزاد کو اس کے سوال کا جواب مل جائے۔۔۔ جو بے چینی سے کئی بار آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں سے سوال کر چکا تھا۔ اس بات کے بعد کھانے

کے کمرے میں لمبی خاموشی چھا گئی۔ سب پوری توجہ سے کھانے میں مشغول تھے۔ میز کے چاروں اطراف میں وردی میں ملازم متعین تھے جو مہمانوں کو پوری توجہ سے کھانا سرو کرنے میں مصروف تھے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد بلقیس نے ملازمہ کو ڈرائنگ روم میں چائے، کافی لانے کا کہا اور سب واپس ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ بلقیس کی دونوں بیٹیاں کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ڈرائنگ روم میں بیٹھے لوگ کسی گہرے راز کی طرح خاموش تھے۔ معظم عباسی نے یہ خاموشی توڑی اور سلطان شہزاد ڈوگر سے اس کے بارے میں پوچھنے لگے کہ" کتنا پڑھا ہے اور کیا کرتا ہے۔"

شہزاد نے بتایا کہ اس نے کامرس میں بیچولرز کیا ہوا ہے اور وہ اب بزنس سنبھال رہا ہے بلکہ اس نے فیصل ڈوگر کے دیئے ہوئے بزنس کو کافی بڑھایا بھی ہے۔ فیصل ڈوگر اپنے بیٹے کی کامیابیوں کی داستان سنانے لگے،بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ شہزاد ڈوگر کی کال آئی اور وہ معذرت کر کے باہر نکل گیا۔

بلقیس نے مریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا"مسز عباسی مجھے آپ سے کچھ بہت خاص بات کرنی ہے۔"مخاطب تو وہ مریم سے تھی مگر انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ معظم عباسی کو بھی اپنی

بات سنانا چاہتی ہوں۔ ڈرائنگ روم میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئ۔ مریم نے الجھی نظروں سے بلقیس کو دیکھتے ہوئے پوچھا "خیریت بلقیس؟"

پہلے معظم عباسی اور پھر مریم کو دیکھتے ہوئے بولیں "میں کچھ مانگنا چاہتی ہوں آپ سے، آپ کے گھر کی سب سے انمول اور قیمتی شے"

مریم بات نہ سمجھتے ہوئے بلقیس کو دیکھنے لگی تو فیصل ڈوگر نے بات بڑھاتے ہوئے کہا

"دراصل ہم اپنے بیٹے شہزاد کے لئے آپ کی بیٹی الیزے کا ساتھ چاہتے ہیں، آپ کی بیٹی ہم سب کے دل میں گھر کر گئ ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی اگر آپ لوگ الیزے بیٹی کو ہماری بیٹی بنا دیں گے۔"

مسٹر اور مسز عباسی خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئ۔ اس خاموشی کو موبائل کی گھنٹی نے توڑا۔ الیزے کی کال تھی۔ کال آنے پر مریم نے گھڑی کی طرف دیکھا اور منہ میں بڑبڑائی "اوہ وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ الیزے منتظر ہوگی۔"

کال پر معظم عباسی الیزے سے کہہ رہے تھے کہ "وہ لوگ بیس منٹ تک اس کے پاس ہوں گے وہ بلکل بھی پریشان نہ ہو۔"

کال بند کرنے کے بعد معظم عباسی مسکراتے ہوئے فیصل ڈوگر سے مخاطب ہوئے "ہم نے ابھی تک الیزے کی شادی کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔۔۔وکالت پڑھنا اس کا خواب ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ اس کا خواب اس سے چھینیں۔۔۔ابھی تعلیم مکمل ہونے میں تقریباً سال باقی ہے۔"

بلقیس بولیں" آپ رشتہ طے کر دیں۔۔۔ہم الیزے کے فارغ ہونے تک کا انتظار کریں گے۔ ہمیں الیزے جیسی کوئی اور اچھی لڑکی مل ہی نہیں سکتی جسے سلطان شہزاد کا ہم سفر بنانے کا سوچیں۔"

اب کے فیصل ڈوگر بولے "اگر آپ بیٹی سے اس کی رائے لینا چاہتے ہیں یا آپس میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ ہم شہزاد کو خوش قسمت سمجھیں گے اگر فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔" معظم عباسی نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور اجازت طلب کی۔

اک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری

دو روز میں ہم پر جو یہاں بیت گئی ہے

آج کا دن:

چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے ٹیرس سے آسمان کے چمکتے تاروں کو دیکھ کر الیزے ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کچھ آنسو گال پر رک گئے تھے اور کچھ تھوڑی سے نیچے کی طرف رواں دواں تھے کہ دروازہ کھٹکھنے کی آواز پر چونک گئی، محسن مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اسے احساس ہی نہیں رہا تھا کہ چائے کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ محسن الیزے کی آنکھوں سے جان گیا کہ اس کی ماں اس وقت ماضی کی دکھا دینی والی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ بچے وقت سے بہت پہلے سمجھدار ہو گئے تھے۔

محسن نے الیزے کے ہاتھ سے کپ پکڑا اور کہنے لگا "لگتا ہے آپ نے چائے اچھی نہیں بنائی تھی اسی لئے نہیں پی اور پھر ہنسنے لگا۔ چلیں میں مزے دار سی چائے بنا کر لاتا ہوں اپنے ہاتھوں سے۔"

ایسا اکثر ہی ہوتا تھا۔چاروں بچے جانتے تھے کہ ان کی ماں کس درد سے گزری ہے۔

الیزے نے زندگی سے ملنے والی مشکلات کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا مگر سارہ کی شادی نے اسے پھر سے ایک بار ماضی کی تلخ یادوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ گھر کے اوپر کے حصے میں ایک چھوٹا سا مگر بہت خوبصورت کچن تھا۔جہاں الیزے اپنے لئے یا بچوں کی فرمائش پر ان کے لئے ان کے پسندیدہ کھانے بنایا کرتی تھی۔

محسن کچن میں گیا چائے کی بجائے کافی کے دو کپ بنائے اور ساتھ میں الیزے کی پسند کے بسکٹ بھی لئے اور واپس الیزے کے کمرے میں پہنچ گیا۔الیزے اتنی دیر میں کپڑے بدل کر اور فریش ہو کر ایک فائل کھولے بیٹھی تھی۔ محسن کمرے میں آیا تو ایک دم سے ناراضگی کے انداز میں بولا "جج صاحبہ بلکل بھی یہ حرکت نہیں چلے گی۔۔۔میں مزے دار سی کافی اپنے نازک ہاتھوں سے بنا کر لاوں اور آپ اس کو مزے سے پینے کی بجائے فائلوں کی نظر کر دیں۔۔نا بابا۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔۔یہ کافی کا کپ تو آپ کو میرے ساتھ ہی پینا ہو گا" اور یہ کہتے ہوئے الیزے کے سامنے کھلی فائل بند کر دی۔الیزے جانتی تھی وہ اب اس کی بلکل نہیں سنے گا۔اس لئے مسکراتے ہوئے بولی "جو حکم میرے آقا"۔۔۔الیزے کی اس

بات پر دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ کمرا جو کچھ دیر پہلے خاموش اور درد کی علامت بنا ہوا تھا اب وہاں قہقہے لگ رہے تھے۔

محسن الیزے سے سارہ کی شادی کے متعلق کچھ مشورہ کرنے اور اب تک اس کو سونپی گئ ذمہداریاں کتنی اور کیسے پوری ہوئیں ان کی روداد سنانے آیا تھا۔ دونوں ماں بیٹا گھونٹ گھونٹ کافی پیتے رہے اور ساتھ ساتھ باتیں کرتے رہے۔ چند دن بعد شادی تھی اور سب اپنے اپنے حصے میں آئے کام خوش اسلوبی سے انجام دینے میں مگن تھے۔ کافی ختم ہونے کی دیر میں بات بھی ختم ہو گئ۔

کافی ختم ہوئی تو محسن نے دونوں کپ ٹرے میں رکھے۔ الیزے نے اس کے بال ماتھے سے پیچھے کرتے ہوئے اس کے ماتھے کو چوما۔ محسن کمرے سے نکلنے سے پہلے ماں کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا "بیوٹی کیوئن آپ دن بدن بہت کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ خود پر توجہ دیں۔ اب مزید مت جاگنا۔۔۔ میرے جانے کے بعد لائیٹ اف کریں اور سو جائیں"

محسن الیزے سے اکثر اسی انداز میں بات کرتا۔۔۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ الیزے

کو ملے دکھوں کا ازلہ کرسکے، جو نا ممکن تھا مگر اس کے اس انداز پر الیزے ہمیشہ ہی دل سے مسکراتی تھی۔

محسن تو چلا گیا مگر الیزے کو ابھی کیس کی فائل پڑھنی تھی صبح اسے ایک اہم کیس کا فیصلہ کرنا تھا اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ کبھی کوئی غلط فیصلہ نہ کرے، مگر اس کی مجبوری یہ تھی کہ اسے پیش کئے جانے گواہ، ثبوت اور حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔

الیزے اس وقت سپریم کورٹ کی ایک مشہور جج تھی اور اس کی شہرت اس کے لئے جانے فیصلوں کی وجہ سے تھی وہ ہمیشہ ہی کوشش کرتی کہ حق اور سچ کا ساتھ دے۔ چاہے اسے کتنی ہی مخالفت کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔

<u>پچیس سال پہلے:</u>

الیزے بہت دھوم دھام سے رخصت ہو کر سلطان شہزاد ڈوگر کے گھر آگئ۔ وہ اس گھر میں آنے سے پہلے ہی سب کے دلوں میں بسنے لگی تھی۔۔۔ اس لئے اسے اپنی جگہ بنانے کے لئے بلکل بھی کوشش یا محنت نہ کرنی پڑی۔ باقی سب گھر والوں کے ساتھ ساتھ شہزاد ڈوگر بھی بہت محبت کرتا۔۔۔ مگر اس نے شادی کی رات ہی ایک بات صاف صاف

کہہ دی کہ اسے الیزے کا کام کرنا پسند نہیں آئے گا تو اس کی خواہش ہے کہ الیزے وکالت نہ کرے بلکہ گھر اور گھر داری کے کام کاج کرے۔۔۔ایک پل تو الیزے کو اپنے خواب ٹوٹتے لگے مگر پھر اس نے سوچا اس بات کو وجہ بنا کر ناراض ہونے کی بجائے اسے وقت پر چھوڑ دیتی ہوں۔۔اسے اس وقت محسوس ہوا کہ وہ شہزاد ڈوگر کو منالے گی۔

الیزے کے ساتھ سب کا رویہ بہت اچھا تھا۔شہزاد ڈوگر بھی اس کی محبت میں دیوانہ تھا۔

ایک دن شام کی چائے پر فیصل ڈوگر نے پوچھا "الیزے بیٹا آپ کب سے واپس اپنی پریکٹس شروع کرو گی؟"

اس سے پہلے کہ الیزے جواب دیتی شہزاد ڈوگر نے کہا "میں نے منع کر دیا ہے مجھے اس کا پریکٹس کرنا پسند نہیں۔۔۔جو عورتیں گھروں سے باہر کام کے لئے جاتی ہیں ایک تو لوگ انھیں غلط نظر سے دیکھتے ہیں اور دوسرا وہ خود کو بہت خاص سمجھنے لگتی ہیں۔۔۔بابا مجھے عورت کا مرد سے آگے نکل جانا بالکل بھی پسند نہیں۔"

فیصل ڈوگر کو شہزاد کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے "اگر کام نہیں کرنے دینا تھا تو کسی ایسی لڑکی سے شادی کرتے جو نہ تو اتنی پڑھی لکھی ہوتی

اور نہ ہی جاب کرتی ہوتی، یہ الیزے کے ساتھ زیادتی ہے اور اس طرح تم اسے اس کے خوابوں سے دور کر رہے ہو۔ تمہاری یہ بات مجھے بلکل پسند نہیں آئی"

بلقیس ڈوگر نے بھی ان کی بات کی تائید کی اور کہا کہ "بہتر ہے اسے اپنی پریکٹس جاری رکھنے دو۔۔اتنی کامیاب اور سلیقہ شعار بیوی کو غلام بنانے کی بجائے ہم سفر بناو"

مگر شہزاد ڈوگر اپنی ضد کا پکا تھا وہ حتمی فیصلہ سنا کر چلا گیا کہ "نہیں اجازت پریکٹس کی۔اگر پریکٹس کرنی ہے تو طلاق لے اور اپنے باپ کے گھر جا کر کرتی رہے پریکٹس"

الیزے نے منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر اس کی آنکھوں میں اس کے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں چبھنے لگیں اور درد کی شدت سے آنکھوں میں لالی اتر آئی۔وہ بظاہر تو مسکرا دی مگر دل ایسا تھا جیسے کسی نے اس کو مٹھی میں بند کر دیا ہو۔اس سے پہلے کہ کوئی اس کی حالت دیکھ کر دل کا حال جان لیتا وہ معذرت کر کے وہاں سے چلی گئی۔

کمرے میں آ کر وہ بستر پر نیم جان سی گر گئی اور اسے یاد آنے لگا کیسے اس نے اپنے والدین کی پسند کے خلاف وکالت پڑھی۔۔۔والدین جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔کئی نسلوں سے اس کی ساری فیملی ڈاکٹر تھی مگر اس نے اپنے والد کو منا ہی لیا کہ اسے وکالت پڑھنی ہے اور پھر

شادی سے پہلے دو سال پریکٹس بھی کرنی ہے۔ وہ سوچنی لگی کاش اس نے شادی ہی نہ کی ہوتی اور بھی بہت سے * کاش * اس کے دماغ میں پھرنے لگے۔

زندگی میں پہلی بار * یقین * کی جگہ * کاش * نے لی۔ ورنہ الیزے کا ماننا تھا کہ "کچھ بھی ایسا نہیں جو انسان چاہے اور ممکن نہ ہو۔ یہ انسان جو * کاش * لفظ استعمال کرتے ہیں اصل میں نہ تو خود کچھ کرتے ہیں اور نہ ہی کرنا چاہتے اسی لئے اپنی کاہلی کو کاش بنا کر بیان کرتے ہیں۔"

یارب یہ کس نے ٹکڑے کئے روز حشر کے

مجھ کو تو گام گام پہ محشر برپا ملا

الیزے جو زندگی میں سمجھوتہ کرنے کے ہمیشہ خلاف رہی تھی آج خود حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ اس نے شہزاد ڈوگر سے زبان سے تو کوئی شکوہ نہ کیا مگر دل میں اسے بہت سے گلے تھے۔ شہزاد نے اس کے خوابوں کو ایک پل میں توڑ دیا تھا۔

الیزے روتے روتے جانے کب سو گئی۔ ملازمہ اسے رات کے کھانے پر بلانے آئی تو اسے اوندھے منہ لیٹا دیکھ کر گھبرا گئی، جگانے کی کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ وہ گھبراتے

ہوئے بلقیس ڈوگر کے پاس آئی۔ الیزے کے بارے میں سن کر بلقیس گھبرا گئی۔ بلقیس الیزے کو اپنی بیٹیوں سے زیادہ محبت کرنے لگی تھی اور اسے لگا کہ شام چائے پر ہونے والی گفتگو کی وجہ سے الیزے نے شاید خود کو کچھ کر لیا ہے۔ بلقیس کے پیچھے فیصل ڈوگر بھی الیزے کی کمرے کی طرف ڈورے۔ فیصل ڈوگر نے ڈاکٹر اور شہزاد ڈوگر دونوں کو کال کر دی۔

شہزاد ڈوگر اور ڈاکٹر تقریباً آگے پیچھے ہی پہنچ گئے۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ الیزے ماں بننے والی ہے اور شاید اسے کوئی ذہنی تناو یا پریشانی ہے جس کی وجہ سے وہ بیہوش ہو گئی ہے۔ اس بات پر فیصل ڈوگر اور بلقیس دونوں ہی شہزاد ڈوگر سے بہت ناراض تھے کہ اس کی وجہ سے الیزے کو صدمہ پہنچا مگر وہ بلکل بھی شرمندہ نہیں تھا۔ سب ہی گھر پر خوش تھے۔ الیزے کا صدقہ دیا جانے لگا۔ الیزے کے والدین بھی خوش تھے اور اس کی والدہ خود اپنی بیٹی کے پرو پر چیک اپ کا پورا خیال رکھتیں۔ الیزے کو شہزاد ڈوگر کی بات کا دکھ ابھی بھی تھا مگر اس نے خود کو سمجھایا کہ اسے اپنے بچے کے لئے خود کو خوش رکھنا ہے۔

شہزاد ڈوگر ہمیشہ سے ہی عورتوں میں دلچسپی لینے والا انسان تھا۔ الیزے کے ساتھ نے اسے وقتی طور پر باہر کی عورتوں سے دور کر دیا تھا مگر کہتے ہیں نا "چور چوری سے جائے سینہ زوری سے نہ جائے" خراب عادتیں ماند تو پڑتی ہیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ جوں جوں وقت گزرنے لگا الیزے کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی۔ ایسے میں الیزے کو شہزاد ڈوگر کے ساتھ اور توجہ کی ضرورت تھی مگر وہ تو ایک نئی ابھرتی ہوئی ماڈل رانیہ کے ساتھ اپنے شام و سحر گزارنے میں مصروف تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ یہ وہ پل ہیں جب اس کی بیوی کو دنیا میں سب سے زیادہ اس کی محبت اور وقت کی ضرورت ہے۔

الیزے جو بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی، اب بات بے بات رو پڑتی۔ شہزاد ڈوگر کی سب بہنیں الیزے سے بہت محبت کرتیں تھیں اور کوشش کرتیں کہ الیزے کا مکمل خیال رکھیں مگر وہ سب مل کر بھی شہزاد کی جگہ نہیں لے سکتی تھیں۔

الیزے کے والدین نے بھی شہزاد کی بے توجہگی محسوس کی اور اس کا ذکر کئی بار مسٹر اور مسز ڈوگر سے کیا مگر ہر بار یہی جواب ملا ایسا کچھ نہیں بزنس کو بڑھانے کی وجہ سے شہزاد ڈوگر کچھ مصروف ہے۔ بچے کی پیدائش سے کچھ تین ماہ قبل الیزے کے والدین اسے اپنے

گھر لے آئے۔ بلقیس تو ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ الیزے کے چلے جانے سے اس کے گھر میں ویرانی پھیل جائے گی مگر پھر اسے خیال آیا کہ شہزاد کی لاپرواہی کی وجہ سے الیزے کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے اس نے جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے والدین بہت پریشان تھے۔ اپنی ہنستی کھلکھلاتی بیٹی کو اس طرح خاموش اور بجھا ہوا دیکھ کر ۔۔ مگر وہ کیا کرتے، الیزے نہ تو کوئی شکوہ کرتی اور نہ ہی ان کے کسی بھی سوال کا جواب دیتی۔

والدین کے گھر آ کر کچھ دن بعد الیزے نے اپنی ساری کتابیں پھر سے شیلف میں ترتیب سے لگائیں، بھائی اور بابا (معظم عباسی) سے کہہ کر کچھ اور کتابیں منگوائیں۔ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہونے لگی۔ جب سسرال سے آئی تھی تو چپ چاپ بس سب کو بات کرتے سنتی، کسی بھی بات میں کچھ نہ بولتی یا جب سب اکٹھے بیٹھتے تو وہ اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ مگر اب اس میں تبدیلی آنے لگی۔ وہ سب میں بیٹھتی، مختلف معملات میں اپنی رائے بھی دیتی۔ بھائیوں کے ساتھ مختلف گیمز بھی کھیلتی۔ بلقیس ڈوگر ملنے آئیں تو الیزے کو اس طرح خوش

دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور مریم عباسی سے بہت معذرت کی کہ وہ الیزے کو ویسے خوش رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئیں جیسے وہ عباسی ہاوس میں خوش رہتی ہے۔

تین ماہ تقریبا پورے ہونے کو تھے۔ شہزاد کبھی کبھی کال کرتا اور بتاتا کہ وہ بہت مصروف ہے اور اسی وجہ سے ملنے نہیں آسکتا البتہ وہ اس کے بنا بہت اداس ہے۔ ایک رات الیزے کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی۔ معظم عباسی کی تو نائٹ شفٹ تھی وہ ہاسپٹل میں تھے۔ مریم عباسی نے اپنے بیٹے بڑے بیٹے عمیر کو گاڑی نکالنے کے کہا اور چھوٹے بیٹے عمر سے کہا کہ وہ الیزے کے سسرال بتادے کہ ہم اسے ہاسپٹل لے کر جارہے ہیں۔ معظم عباسی کو مریم نے خود کال کر کے بتادیا کہ وہ ان کے پہنچنے تک فارغ ہو کر گائنی وارڈ میں پہنچ جائیں۔ الیزے کو آپریشن تھیٹر لے جایا گیا اور سب باہر اس کی اور اس کے بچوں کی سلامتی کی دعا کرنے لگے۔ یہ بات پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی کہ جڑواں بچے ہیں۔

سب ہاسپٹل پہنچ چکے تھے اور سب کی نظریں اس وقت شہزاد کو ڈھونڈ رہیں تھیں۔۔۔ سب سے آخر میں شہزادڈو گر پہنچا وہ بھی باپ کے بار بار کال کرنے پر۔ کچھ دیر بعد نرس نے خوش خبری دی کہ الیزے نے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو جنم دیا ہے۔ دونوں بچے مکمل

صحتمند ہیں اور الیزے بھی بلکل ٹھیک ہے مگر کمزوری کی وجہ سے فی الحال بیہوش ہے۔ اسے میڈیسن اور انجیکشن وغیرہ دیئے گئے ہیں۔فی الحال اس سے ملاقات ممکن نہیں۔۔ چند گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آجائے گی۔ تو ملاقات ممکن ہوگی۔۔۔سب بہت خوش تھے۔مبارک باد کا شور برپا تھا۔شہزاد ڈوگر بھی خوش تھا۔مگر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب نرس نے دو پیارے پیارے بچے اسے تھامائے۔۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے۔

بلقیس ڈوگر نے گھر فون کیا کہ گھر پہنچنے سے پہلے الیزے اور بچوں کے صدقے کے بکرے قربان کر کے مستحق لوگوں کو دے دیئے جائیں۔فیصل ڈوگر نے کئی سو کلو میٹھائی کا آرڈر دے دیا۔شہزاد ڈوگر کی ساری بہنیں پھوپھو بننے کی خوشی میں اپنا اپنا تحفہ مانگنے لگیں بھائی سے۔

دو دن ہاسپٹل رہنے کے بعد ڈاکٹر نے ڈسچارج کر دیا۔بلقیس اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی مگر مریم نے کہا کہ کم از کم سوا مہینہ وہ الیزے اور بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ الیزے کافی کمزور ہو گئی تھی اور بلقیس نہیں چاہتی کہ شہزاد کی کسی بات سے الیزے کو دکھ

پہنچے تو اس نے کہا" ٹھیک ہے بس سوا مہینہ آپ کی طرف رہ لے الیزے بچوں سمیت پھر ہم دھوم دھام سے اپنی بہو اور بچے لینے آئیں گے۔"اس طرح الیزے ایک بار پھر عباسی ہاوس آ گئی۔

الیزے بہت خوش تھی۔ بظاہر وہ شہزاد ڈوگر کی زیادتیوں کو بھول چکی تھی، مگر دل میں کہیں اس کے الفاظ اور رویے کی اپنی چبھن باقی تھی۔ اس کے شب و روز اپنے دونوں بچوں سارہ اور محسن کے ساتھ گزرنے لگے۔ معظم عباسی بیٹی کو خوش دیکھ کر بھی مطمئن نہ ہوئے اور کئی بار باتوں باتوں میں اس کے اندر چھپے درد کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔ اس چار ساڑھے چار ماہ میں وہ اتنا تو جان گئے تھے کہ ان کی بیٹی کو پریکٹس کرنے سے روک دیا گیا مگر اس سے بھی زیادہ دکھ انھیں جس بات کا ہوا وہ یہ تھی کہ سلطان الیزے کو وقت بہت کم دے رہا تھا۔ اس دورانیہ میں جب وہ اپنے والدین کے گھر تھی بہت خوش رہنے لگی تھی۔ بہت بار شہزاد ڈوگر کے والدین اور بہنیں ملنے آئیں مگر شہزاد خود دو مرتبہ ہی آیا۔

وقت تیزی سے گزر گیا اور سوا ماہ کی بجائے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہونے کو آ گیا۔ بلقیس نے کال کی کہ "وہ لوگ الیزے اور بچوں کو لے کر جانا چاہتے ہیں" تو مریم عباسی نے کہا کہ

"ٹھیک ہے اتوار کو شام ساتھ گزارتے ہیں اور زور دے کر تاکید کی کہ سطان شہزاد کو ضرور ساتھ لائیں۔"

دو دن بعد اتوار تھا۔ مریم عباسی نے اپنی بیٹی اور اس کے بچوں کے لئے بہت سی شاپنگ کی تھی اور بہت سے قیمتی تحائف لئے جو انھوں نے اپنی بیٹی، اس کے بچوں کو دیئے اور سسرال والوں کو دینے تھے۔ عمیر اور عمر بہت اداس تھے کہ چھوٹے چھوٹے دو پیارے سے جاندار کھلونے ان کے گھر سے چلے جائیں گے۔

شام سات بجے ڈوگر فیملی پہنچ گئ اور عباسی فیملی نے ان سب کا بہت خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ الیزے لال شیشوں والی قمیض اور کالی شلوار دوپٹے میں آج پھر اتنی حسین لگ رہی تھی کہ شہزاد ڈوگر اسے کن اکھیوں سے بار بار دیکھ رہا تھا۔ سارے بال اکٹھے کر کے بہت ہی رف سا جوڑا بنا رکھا تھا اور چہرے پر آتی لٹ اس کے حسن کو اور خوبصورت بنا رہی تھی۔

شہزاد اپنے بچوں سے کھیلنے میں مصروف تھا کہ ایک کال پر اٹھ کھڑا ہوا تو فیصل کے پوچھنے پر اس نے بتایا "اسے جانا ہے بہت ضروری کام ہے۔"

اس کی اس بات پر الیزے کا چہرہ اتر گیا اور معظم p عباسی بیٹی کے اترے چہرے کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ مسکراتے ہوئے شہزاد ڈوگر سے کہا "جانتا ہوں بیٹا کہ آپ بہت بڑے بزنس مین ہو اور ایک ایک پل قیمتی ہے آپ کا مگر کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ بھی گزارنا چاہیے جن کے لئے آپ یہ سب بھاگ دوڑ کر رہے ہو۔ آپ سے درخواست ہے کہ آج آپ اپنا قیمتی وقت ہم سب کے ساتھ گزارو۔ مدت ہوئی مل کر بیٹھے اور گپ شپ کئے "

شہزاد ڈوگر کے پاس کوئی جواز نہ بچا کہ وہ کچھ بھی اور کہے۔۔۔وہ مسکراتا ہوا واپس بیٹھ گیا مگر کچھ آدھا گھنٹہ بعد پھر کال آئی اور شہزاد ڈوگر بے چین ہو کر اٹھا کال اسی ماڈل رانیہ کی تھی۔

اس مرتبہ فیصل ڈوگر نے انتہائی غصے سے پوچھا "اتوار کی رات آٹھ بجے کون سا ایسا کام آن پڑا ہے کہ بار بار کال آ رہی ہے۔ لاو اپنا فون مجھے دو میں دیکھوں کس کی جان کو چین نہیں اور اگر جانا اتنا ہی ضروری ہے تو تمہاری جگہ میں مل آتا ہوں اس بے چین روح سے "

سلطان کو کچھ سمجھ نہ آئی اور بولا "ایک دوست کی کال تھی۔ اصل میں کچھ دوستوں نے ملنے کا

پلان بنایا تھا تو وہی بار بار کال کر رہے ہیں"

فیصل ڈوگر جانتے تھے کہ شہزاد جھوٹ بول رہا ہے مگر سب کے سامنے اس کے جھوٹ کو چھپاتے ہوئے بولے "ٹھیک ہے مگر انھیں بتاؤ کہ تم فیملی کے ساتھ ہو اور اب دوبارہ کال نہ کریں وہ تمہیں"

کچھ ہی دیر میں کھانا لگنے کی اطلاع پر سب کھانے کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ کھانے میں الیزے اور شہزاد دونوں کی پسند کی سب ڈشز موجود تھیں۔ سب نے بہت خوش دلی سے کھانا کھایا اور کھانے کے بعد ملازمہ کو چائے کا کہہ کر سب واپس ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ عمیر اور عمر تو سارا وقت سارہ اور محسن سے کھیلنے میں مصروف رہے، ان دونوں کا بلکل دل نہیں تھا کہ سارہ اور محسن ان کے پاس سے کہیں جائیں۔

چائے پر معظم عباسی نے الیزے سے پوچھا "الیزے بیٹا آپ نے شادی کے بعد پریکٹس کیوں جاری نہیں رکھی۔۔۔اس طرح سب چھوڑ دینا مناسب نہیں لگا مجھے۔۔۔ وکالت تو خواب تھا آپ کا نا میری بیٹی نے اس خواب کو تعبیر بنانے کے لئے سب سے مخالفت لی تھی۔ پھر اب کیوں سب چھوڑا دیا؟؟"

معظم عباسی شاید چاہتے تھے کہ بیٹی کے دل کا دکھ سب کے سامنے جائیں۔ الیزے باپ کے اس سوال پر ایک دم چونک گئی۔ بلقیس اور فیصل ڈوگر الیزے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

اس سے پہلے کہ الیزے کچھ کہتی شہزاد ڈوگر بول پڑا "میں نے اجازت نہیں دی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ الیزے کام کرے۔ گھر سے باہر جائے اور اب تو بچے بھی ہو گئے ہیں تو اب تو بلکل بھی اجازت نہیں۔"

شہزاد ڈوگر کی بات پر فیصل ڈوگر بولے "اگر الیزے بیٹی پریکٹس کرنا چاہتی ہے تو میری اور بلقیس کی طرف سے اجازت ہے"۔

ان کی اس بات پر مریم بولی "وکالت اس کا خواب ہے اور وہ سپریم کورٹ کی جج بننا چاہتی تھی مگر اس طرح گھر بیٹھ جانے سے تو خواب پورے نہیں ہوں گے۔۔ بلکہ ٹوٹے خواب اسے درد دینے لگیں گے"

شہزاد ڈوگر کا پارہ ساتویں آسمان پر چلا گیا اور یہ دیکھے بنا کہ اس کے بڑے سامنے بیٹھے ہیں اور ان سے مخاطب ہے، وہ بہت غصے اور بدتمیزی سے بولا "اگر الیزے کو پریکٹس کرنا ہے تو وہ اپنے میکے رہے اور کرے پریکٹس۔۔۔ہاں البتہ اپنے دونوں بچے میں ساتھ لے جاوں

گا۔ فیصلہ اب الیزے کو کرنا ہے۔"

پھر الیزے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا" میں باہر ہوں الیزے۔۔۔ آنا ہے تو پانچ منٹ میں آجاؤ ورنہ تمہاری مرضی"

فیصل ڈوگر نے آو دیکھا نہ تاؤ اور آگے بڑھ کر بیٹے کی اس بد تمیزی پر زوردار تھپڑ دے مارا اسے۔۔۔ شہزاد ڈوگر کو آج تک کبھی بھی کسی بھی بات پر فیصل ڈوگر نے ڈانٹا تک نہیں تھا تو یہ تھپڑ وہ بھی سب کے سامنے شہزاد کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔۔۔ شہزاد ڈوگر بنا کچھ کہے بس الیزے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ معظم عباسی کو شہزاد ڈوگر کی حرکت پر بہت غصہ آیا وہ فیصل ڈوگر کو مخاطب کرتے ہوئے بولے" آپ لوگوں نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا یہ سب۔۔۔ آپ لوگوں کو اپنے تنگ نظر بیٹے کے لئے کوئی ان پڑھ لڑکی لانی چاہئے تھی۔ ہماری بیٹی کی زندگی کیوں برباد کی" یہ کہہ کر معظم عباسی الیزے سے مخاطب ہوئے" الیزے اپنے کمرے میں جاؤ اور بچے تھما دو انھیں۔"

الیزے جیسے بت بنی کھڑی تھی۔ بلقیس اور مریم دونوں مائیں تھیں اور دونوں ہی کی آنکھیں نم تھیں۔ فیصل ڈوگر جو بہت شرمندہ اور لاجواب تھے آگے بڑھے اور الیزے سے کہا

"چلو بیٹا اپنے گھر چلو۔ شہزاد تو پاگل پن کر رہا ہے مگر میری بیٹی تو سمجھدار ہے۔۔۔ ایسے گھر نہیں توڑے جاتے اور بیٹا ہم کون ہوتے ہیں بچے ماں سے الگ کرنے والے۔۔ میں اپنی بیٹی کو اس کے بچوں کے ساتھ گھر لے کر جانے آیا ہوں۔"

معظم عباسی نے مریم کو تقریباً ڈانٹنے کے انداز میں کہا "بچے مسز ڈوگر کے حوالے کرو اور الیزے کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔"

الیزے وہیں ڈھیر ہو گئی۔۔۔ عمیر نے آگے بڑھ کر بہن کو سنبھالا۔۔۔ الیزے نے ہمت کی۔۔۔ اٹھی اور معظم ڈوگر کے سینے سے لگ گئی بلکل ویسے ہی جیسے وہ بچپن میں جب بہت پریشان ہوتی تھی تو باپ کے سینے سے لگ کر اپنی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتی تھی۔۔۔ مگر تب اور اب میں بہت فرق تھا۔۔۔ تب الیزے کی پریشانی باپ کے لمس کی حدت سے ہی دور ہو جاتی تھی اور اب۔۔۔ اب اس کی پریشانی کا حل کسی کے پاس نہیں تھا۔

معظم عباسی نے بیٹی کو بہت پیار کیا۔۔۔ کبھی ماتھا چومیں اور کبھی اس کے ہاتھ چومیں۔۔۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج سے پہلے انھوں نے خود کو اتنا بے بس کبھی نہیں پایا تھا۔۔۔الیزے نے باپ سے کہا "باباجانی میں سارہ اور محسن کو نامکمل نہیں دیکھنا چاہتی۔۔۔میں چاہتی ہوں وہ بھی ویسے ہی مکمل ہوں جیسے میں مکمل ہوں۔۔۔میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے ہمت دیں کہ میں اپنے خوابوں کو اپنے بچوں کی پرورش کی صورت مکمل کر سکوں"

کبھی رلا کے ہنسایا گیا ہوں اور کبھی

ہنسا کے حد سے زیادہ، رلا دیا گیا ہوں

معظم نے بیٹی کو روکنا چاہا مگر وہ نہ رکی۔۔۔معظم اور مریم بہت بے چارگی اور بے بسی سے الیزے کو دیکھنے لگے۔۔۔الیزے نے محسن بلقیس کو دیا اور خود سارہ کو لئے باہر آ گئی جہاں شہزاد گاڑی میں بیٹھا رانیہ سے بات کر رہا تھا۔۔۔اسے لگا تھا کہ الیزے اپنے خوابوں کو ترجیح دے گی اور وہ ابھی تک صرف اس لئے رکا تھا کہ بعد میں ثابت کر سکے کہ "الیزے نے کوشش ہی نہیں کی سب ٹھیک کرنے کی اور وہی وجہ ہے ہر دوری کی۔"

گاڑی کے شیشے میں الیزے کو آتا دیکھ کر شہزاد نے فون بند کر دیا۔۔۔الیزے آگے شہزاد کے برابر بیٹھنے کی بجائے پیچھے بیٹھی دونوں بچوں کو ساتھ میں لئے۔۔۔بلقیس اسے

محسن تھاما کر خود فیصل ڈوگر کی گاڑی میں چلی گئی

آج پہلی بار بلقیس کو شہزاد ڈوگر کی وجہ سے شرمندگی ہوئی تھی۔۔۔باہر آنے سے پہلے فیصل ڈوگر نے کچھ معذرت کے الفاظ کہنے چاہے تھے مگر معظم عباسی نے کچھ بھی کہنے سے روک دیا یہ کہہ کر کہ "اب کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔۔۔ آپ لوگوں نے ہماری معصوم بیٹی کی زندگی برباد کر دی ہے اور اس بات کے لئے میں کبھی معاف کروں گا۔ مریم بلقیس سے ملنے کی بجائے وہاں سے کچن میں چلی گئی کیونکہ وہ بھی بلقیس سے کسی بھی قسم کی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

دونوں گاڑیاں تیزی سے تقریبا آگے پیچھے ڈوگر ہاوس کی طرف روانہ تھیں اور دونوں میں ہی خاموشی تھی۔ فیصل ڈوگر نے خاموشی توڑی اور بولے "بلقیس" اور بلقیس جو پریشان بیٹھی تھی اس طرح ایک دم اپنا نام سن کر بوکھلاتے ہوئے بولی "جی"

فیصل نے ایک نظر بلقیس پر ڈالی اور بولے "شہزاد نے زندگی میں بہت بار بہت کچھ غلط کیا ہے۔ بہت ساری عورتوں اور لڑکیوں سے تعلقات رہ چکے ہیں ماضی میں اس کے،یہ بات ہم دونوں بہت اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔ پڑھائی کا اسے شوق نہیں تھا۔۔۔ ہمیشہ ہر بات پر

تم نے کہا کہ ایک غلطی معاف کر دیں مگر آج کی اس کی غلطی قابل معافی نہیں۔ اور ایک بات تو بتاو کیا تم جانتی ہو کہ آج کل یہ نئی ابھرتی ماڈل رانیہ کے عشق میں مبتلا ہے؟"

بلقیس نے اپنی آنسوں سے بھری آنکھوں کو حیرت سے مزید کھول کر فیصل ڈوگر کو دیکھا اور بہت سے آنسو ایک ایک کر کے اس کے دامن پر گرے۔۔۔ وہ حیرت ساتھ ساتھ پریشان ہو کر بولی "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میں تو سمجھ رہی تھی کہ الیزے جیسی اچھی بیوی پا کر اس کی سب پرانی بری عادتیں خود بخود چھٹ گئی ہیں۔"

فیصل ڈوگر بولے "ایک بات یاد رکھنا عادتیں اچھی ہو یا بری خود نہیں چھٹا کرتیں۔۔ ان سے چھٹکارا پانے کے لئے خود انسان کو محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔ خود دنیا کے سارے غلط کام کرتا ہے اور الیزے کو اس کے خوبصورت جائز خواب سے دور کر رکھا ہے۔ آفرین ہے اس لڑکی پر کہ اس نے بات سنبھال لی ورنہ آج ہم خالی ہاتھ ہی واپس لوٹ رہے ہوتے اور معظم نے کچھ غلط کہا بھی نہیں۔ اس کی بیٹی اس کی زندگی ہے۔ اس نے پہلے سب بتایا تھا۔ الیزے کے خواب میں بارے میں بھی اور یہ بھی کہ میرے لئے میری بیٹی میرے دونوں بیٹوں سے آگے ہے۔۔۔ اگر اس کی آنکھ میں آنسو آیا تو میں شرافت بھول جاوں گا

اور ہم اسی وعدے پر اسے بیاہ کر لائے تھے کہ اسے معظم کے گھر سے زیادہ خوشیاں دیں گے"

فیصل ڈوگر کچھ سیکنڈ رکے اور پھر بولے "بلقیس تم نے آج معظم کی آنکھوں میں بے بسی دیکھی تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں بے بسی دیکھ کر ڈر گیا ہوں۔ میں خود بھی چار بیٹیوں کا باپ ہوں اور بیٹی کے درد میں باپ کی آنکھ سے نکلے آنسو کا مطلب بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ جانے کیوں مجھے آج لگا کہ کچھ بہت برا ہونے والا ہے"

بلقیس نے اپنا سوال دوبارہ کیا جیسے اس نے فیصل کی اور کوئی بات سنی ہی نہ ہو رانیہ کی بات کے بعد "آپ کیا کہہ رہے تھے رانیہ اور شہزاد کے متعلق؟"

فیصل نے بلقیس کی طرف دیکھا اور سوالیہ انداز میں پوچھا "کیا تم واقعی نہیں جانتی کہ آج کل بزنس کے نام پر دن رات یہ رانیہ کے ساتھ گزار رہا ہے۔ اب تک لاکھوں اس پر خرچ کر چکا ہے۔۔۔ وہ سمجھتا ہے کہ باپ بڈھا ہو گیا ہے اسے کچھ پتا نہیں تو اس کی غلط فہمی ہے۔۔۔ باپ کتنا بھی بوڑھا ہو جائے وہ باپ ہی رہتا ہے۔۔۔ اسے بچے کی ہر مومنٹ کا علم ہوتا ہے۔"

بلقیس جو بہت پریشان تھی یہ سب سن کر بولی "الیزے جیسی سادہ، خوبصورت، خوب سیرت، پڑھی لکھی اور وفا شعار بیوی کے ہوتے بھی شہزاد نے یہ غلط راستہ اختیار کیا۔"

بلقیس کی حیرت اور انداز بتا رہا تھا کہ وہ سب سے بے خبر ہے۔۔۔ کچھ سوچتے ہوئے بولی

"آپ رانیہ سے ملے ہیں؟" اس سادہ سے سوال میں بلقیس نے بہت کچھ پوچھ لیا۔

فیصل ڈوگر نے بلقیس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت اداس اور پریشان نظر آ رہی تھی تو بات کو ہنسی میں بدلتے ہوئے مسکراتے بولے "میں اپنی بوڑھی بیوی جو عینک کے اندر سے مجھے گھورتی ہے اور بات بے بات مجھ سے لڑتی ہے۔ جس نے چالیس سال میرے ساتھ گزار دیئے۔ اس سے بہت ڈرتا ہوں تو میڈیم جی وہ مجھے گھر سے نہ نکال دے اس ڈر سے کسی اور عورت کو دیکھنا تو دور سوچتا بھی نہیں"

یہ کہہ کر بلقیس کو دیکھتے ہوئے انھوں نے قہقہہ لگا دیا۔ مگر اس قہقہے میں بھی بلا کا درد چھپا تھا۔ بلقیس بھی مسکرا دی مگر بہت مجبوری میں۔

فیصل جانتا تھا کہ بلقیس نے کیوں رانیہ سے ملنے کا سوال کیا ہے۔ بلقیس کو مجبوری میں مسکراتا دیکھ کر فیصل بولے "بیگم اب تک میں خاموش تھا کہ شاید وقت گزاری ہے مگر

اب آج اس لڑکے کی ہٹ دھرمی نے مجھے ذلیل کروایا ہے۔۔۔اب ملنا ہی پڑے گا اس رانیہ سے۔ تم پریشان نہ ہو ورنہ الیزے کو کون پریشانی سے نکالے گا۔۔۔اس بچی کا بہت خیال رکھنا۔۔۔ آج اس نے ہماری عزت اور مان رکھا ہے اور اب وہ صرف شہزاد کی بیوی نہیں ہماری اگلی نسل کی ماں بھی ہے۔ کوشش کرنا کہ اسے بہو نہیں بیٹی کا مان اور محبت دے سکو اور اسے کسی قسم کا درد نہ ملے کم از کم ہم سب سے۔"

بلقیس نے سر ایسے ہلایا جیسے وہ بھی اس بات سے اتفاق کرتی ہو۔

دوسری طرف شہزاد ڈوگر اور الیزے مسلسل خاموش تھے۔۔۔شہزاد نے ایک دو بار بیک شیشے سے الیزے کو دیکھا کہ ممکن ہے وہ کسی شکوے یا شکایت کا اظہار کرے۔۔۔مگر الیزے بہت مطمئن اور ارد گرد کی ہر بات سے بے خبر اپنوں دونوں بچوں کے ساتھ پیار کرنے میں مگن تھی۔۔۔البتہ اس نے نوٹس کیا کہ بار بار کال آ رہی تھی اور شہزاد کاٹ رہا تھا۔ پھر ایک بار اس نے کال ریسور کر کے کہا" آدھے گھنٹے تک تمہاری پاس ہوں گا۔ تم تیار رہنا۔۔۔تم بہت اچھی طرح جانتی ہو مجھے انتظار کرنا بلکل پسند نہیں۔"

آگے آگے فیصل ڈوگر کی گاڑی گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور پیچھے سلطان شہزاد ڈوگر کی۔۔۔ گھر پر شہزاد کی بہنیں اپنی بھابی اور بچوں کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں۔۔۔ بلقیس نے اتر کر الیزے کے اترنے کا انتظار کیا کہ بچے اس سے لے سکے۔۔۔

الیزے باری باری سارہ اور محسن بلقیس کو پکڑا کر بمشکل اتری ہی تھی کہ شہزاد گاڑی ریورس کرتے ہوئے تیزی سے گیٹ سے باہر لے گیا۔

فیصل اور بلقیس دونوں کو ہی اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔۔۔ الیزے تقریباً ساڑھے چار پانچ ماہ بعد واپس گھر آئی تھی۔ شہزاد کو کم از کم یہ پل تو اس کے ساتھ گزارنے چاہیں تھے۔ الیزے کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ بہت ضبط کرنے کی کوشش کی مگر وہ چھلک ہی پڑے اور بلقیس کا دل اس کو دیکھ کر بیٹھ سا گیا۔ الیزے کا دھیان ہٹانے کے لئے اس نے اس کی توجہ شہزاد کی بہنوں کی طرف کروائی۔ شہزاد کے علاوہ گھر کا ہر فرد ہی خوش تھا اور دل سے استقبال کرنے کے لئے موجود تھا۔ الیزے نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی ہے۔

بہت سی چھوٹی چھوٹی خوبصورت رسمیں کی گئ۔ سب نے الیزے اور بچوں کو بہت سے تحائف دیئے۔ شہزاد ڈوگر کی چھوٹی بہن عطیہ نے الیزے کو بتایا کہ اس نے اور ردا نے مل کر سارہ اور محسن کا کمرا بہت خوبصورت سجایا ہے۔ آدھا پنک اور آدھا بلیو ہے۔ بظاہر تو الیزے سب کی باتیں سن اور جواب میں مسکرا رہی تھی مگر اصل میں ذہنی طور پر اس سوچ میں گم تھی کہ "ایسا کون ہے جو شہزاد کے لئے اس کی بیوی بچوں سے زیادہ اہم ہے آج اس وقت کو ہمارے ساتھ گزارنے کی بجائے وہ اس خاص انسان کے ساتھ گزارنے چلا گیا"

بہت کچھ اس کے ذہن میں آیا اور اس بہت کچھ کو اس نے جھٹک دیا۔

ایک چھوٹا جھولہ نما بیڈ دونوں بچوں کے لئے الیزے کے کمرے میں بھی لگایا گیا تھا۔

الیزے نے بچوں کا منہ ہاتھ صاف کروا کر کپڑے بدلوائے۔ دودھ پلا کر انھیں سلایا اور بہت ہی بوجھل قدموں سے خود بھی منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر لیٹ گئ۔

بظاہر شہزاد کی منتظر نہیں تھی مگر اندر کہیں وہ چاہتی کہ شہزاد آجائے اور کہے "وہ کچھ سرپرائز دینے کی خاطر اسے اس طرح چھوڑ کر گیا تھا۔"

کوئی بھی نہ آیا بکھرنے سے بچانے

میں اپنے ہی سینے سے لگا لایا ہوں خود کو

آج کا دن:

محسن الیزے کے کمرے سے نکلا تو شہزاد کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ شہزاد بھی بہت پریشان اور اداس ہے۔ رات کا ایک بج رہا تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ الیزے ابھی نہیں سوئے گی وہ خود کو فائلوں میں غرق کرلے گی۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی دیر تھی کہ شہزاد نے آواز دی "محسن اندر آجاو"

محسن باپ کے لئے بھی کافی بنا کر لایا تھا۔ مگر اب کی بار اس نے اپنے لئے نہیں بنائی تھی۔ وہ کبھی بھی سلطان شہزاد کے ساتھ نہ تو بہت بے تکلفی سے بات کرتا اور نہ ہی بے وجہ وقت اس کے ساتھ گزارتا تھا۔ محسن شہزاد کو سارہ کی شادی کے انتظامات کی تیاری کی تفصیلات بتا کے جانے لگا تو شہزاد نے بے اختیار پوچھا "ماما کیسی ہیں تمہاری؟"

محسن دروازے کے قریب ہی رک گیا اور بولا "اب بہتر ہیں یا خود کو ٹھیک دکھانے کی

کوشش کر رہی ہیں مگر انھیں شاید اپنی صحت کا خیال رکھنے کی عادت نہیں رہی۔ ہم سب کا خیال رکھتے رکھتے وہ یہ بھول گئیں ہیں کہ انھیں بھی آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ الیزے کو بلڈ کینسر تھا اور یہ بات گھر میں سوائے الیزے کے کوئی بھی اور نہیں جانتا تھا اور اس بات کو وہ خود یاد نہیں رکھنا چاہتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ خود کی صحت کی پرواہ کرنا بھول بیٹھی تھی زمانے ہوئے۔ شہزاد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر محسن بنا پیچھے دیکھے باہر نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ پیچھے مڑے گا تو اس سے باپ کے ساتھ بے ادبی ہو جائے گی وہ الیزے کے ساتھ ہوئی زیادتی پر جب بھی سوچتا تو اس کا دل چاہتا کہ وہ شہزاد کو سزا دے۔ مگر وہ الیزے کا بیٹا تھا محسن ڈوگر اور الیزے اپنے بچوں کو یہ سیکھا چکی تھی کہ باپ کے ساتھ کی بد تمیزی کی خدا کے ہاں کسی بھی قیمت پر معافی نہیں چاہے باپ کتنا بڑا مجرم ہی کیوں نہ ہو"_

صبح الیزے کو جلدی کورٹ پہنچنا تھا۔۔۔ آج بہت ہی خاص کیس کا فائنل فیصلہ سنانا تھا۔ پچھلے کئی دن سے اور کئی راتوں سے الیزے اسی کیس پر کام کر رہی تھی۔ الیزے بڑے اثر

ورسوخ والے لوگوں کے کیس پر بھی مخالف فیصلہ سنانے سے نہیں ڈرتی تھی جن سے سارے وکلاء اور جج ڈر کر پیسے کھا لیتے تھے۔ تب بھی الیزے ان خوفناک امیرزادوں سے ڈرنے کی بجائے صرف اپنے رب سے ڈرتی تھی اور ہمیشہ کوشش کرتی کہ حق اور سچ کا ساتھ دے --

جب الیزے کو شہزاد نے طلاق دی تو فیصل ڈوگر نے اوپر کا پورا گھر الیزے کی سہولت کے مطابق تیار کروایا تھا۔ جس کو ایک عدد سیڑھیاں گھر کے اندر سے جاتی تھیں تاکہ بچے اور دوسرے لوگ الیزے کے پاس جا سکیں اور ایک عدد سیڑھیاں باہر سے دیں کہ الیزے اگر شہزاد کا سامنا نہ چاہے تو باہر سے ہی آ جا سکے۔ الیزے کوشش کرتی کہ اس کا سامنا شہزاد سے نہ ہو مگر پھر بھی کبھی ہو جائے تو بنا دیکھے گزر جاتی اور شہزاد دیکھتا ہی رہ جاتا۔

جمعہ کو سارہ کی مہندی کی رسم تھی اور آج بدھ تھا۔۔ الیزے صبح بہت جلدی نکل گئی۔۔ اسے واپسی پر الیزے کے لئے کچھ شاپنگ بھی کرنا تھی۔ شہزاد اٹھا تو پیغام ملا کہ بلقیس ڈوگر نے بلایا ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر سیدھا ماں کے پاس پہنچا۔ بلقیس نے شہزاد سے صبح

صبح عجیب سوال کر ڈالا "شہزاد کیا تم نے رب باری تعالی سے معافی مانگی ہے۔ کیا تم کفارہ ادا کر چکے ہو؟"

شہزاد عجیب نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا "کس چیز کی معافی۔ میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔"

بلقیس اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی "ان سب گناہوں کی معافی جو تم کر چکے ہو۔ وہ سب زیادتیاں جو تم نے الیزے کے ساتھ کیں۔ ان سب باتوں کفارہ جن کی سزا ملی تو بہت ہولناک ہوگی۔ تم اپنی بیٹی اپنے جگر کے ٹکڑے کو کسی اور کے حوالے کرنے جا رہے ہو جیسے معظم اور مریم نے اپنا دل کا ٹکڑا تمہارے حوالے کیا تھا۔ تم نے کیا کیا تھا الیزے کے ساتھ۔ تمہیں کفارہ تو ادا کرنا ہوگا اور معافی بھی مانگ لو اللہ تعالی سے کہ وہ سب ہماری بیٹی سارہ کے آگے نہ آئے۔

شہزاد کی جیسے روح تک کانپ گئی۔ اپنی اس کیفیت کو چھپاتے ہوئے۔ بہت مغرور انداز میں بولا "سارہ میری بیٹی ہے۔ سلطان لیاقت شہزاد ڈوگر کی۔ کس ماں کے لال میں اتنا دم ہے کہ اس کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی لے آئے۔ میں اس انسان کے لئے زمین تنگ کر

دوں گا۔۔ آپ نے یہ بات سوچی بھی کیسی؟"

بلقیس اسے بہت غور سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی "انا اور غرور انسان کی نسلوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ کاش یہ بات اب تک شہزاد سمجھ چکا ہوتا۔"

بلقیس خاموشی سے سنتی رہی اور شہزاد جانے کیا کیا کہتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو بلقیس نے نہایت تحمل سے کہا" تمہیں یاد ہے پچیس سال پہلے ایک لڑکی دلہن بن کر آئی تھی اس گھر میں۔ وہ جس باپ کی بیٹی تھی وہ تم سے اس وقت بھی زیادہ طاقت میں ہے،وہ یو-ان-او میں ہیلتھ اور گنائزیشن کا خاص نمائندہ ہے اور اس کی ماں۔۔۔وہ ڈبلیو-ایچ-او کی ایک نامی گرامی ڈاکٹر ہے۔ اور اس کے بھائیوں سے تو تم بخوبی واقف ہی ہو۔۔اس کا ایک بھائی اس وقت گورنمنٹ میں ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کا انچارج ہے اور دوسرا بھائی اس وقت پاکستان کا نامی گرامی دل کا سرجن ڈاکٹر ہے اور پوری دنیا میں وہ ولنٹیر کام کرتا ہے اور اس کے ماموں۔۔بتاوں اور تفصیل کہ کافی ہے۔ شہزاد تم نے اس لڑکی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ تم نے غلطی نہیں گناہ کیا تھا اور گناہ کی معافی آسانی سے نہیں ملا کرتی۔اس کے کفارے ادا کرنے پڑتے ہیں۔"

شہزاد کچھ بھی بول نہ سکا بلقیس نے پھر سے کہا" آج اپنی بیٹی کسی کے گھر جا رہی ہے تو اب دل کو دھچکا لگا ہے نا۔۔ اللہ سے رو رو کر معافی مانگو اور توبہ کرو کہ شاید وہ معاف کر دے اور گناہوں کی سزا تمہاری بیٹی کو نہ دے۔ ورنہ اس کا درد بھی تم سے کہیں زیادہ الیزے کو ہو گا اور میں نہیں چاہتی کہ اب کی بار ایسا کچھ ہو کہ الیزے کو دوبارہ سے دکھ ملے۔۔۔ بہت دکھ اٹھا چکی ہے وہ پہلے ہی"

شہزاد ماں کی بات سن کر پریشان ہو گیا اور بنا کچھ کہے بلقیس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ اپنے کمرے تک کا سفر کئی سو سال پر جیسے محیط ہو گیا۔ کمرے میں آ کر صوفے پر آنکھیں بند کر کے نیم دراز ہو گیا۔۔

<u>پچیس سال پہلے:</u>

اسے یاد آنے لگا کہ الیزے اکثر پریشان رہتی تھی کہ وہ کئی کئی ماہ ملک سے باہر رہنے لگا تھا۔ الیزے اتنے میں ایک بار پھر جڑواں بچوں حسن اور زارا کی ماں بن گئی تھی۔ اب کی بار بچوں کی پیدائش پر بھی شہزاد نہیں پہنچا اور جب فیصل ڈوگر نے پتا کیا تو پتا چلا کہ شہزاد نے رانیہ سے چھپ کر نکاح بھی کر لیا اور چھوڑ بھی دیا مگر وہ ایک ایسی ماڈل تھی جو کامیاب نہ ہو

سکی تو اس کی کوئی خبر شوشل میڈیا تک نہ آئی۔ رانیہ کے بعد خود کو منظر سے دور کرنے کے لئے وہ جرمنی چلا گیا اور وہاں ایک جرمن عورت کے عشق میں مبتلا ہو گیا، کچھ چھ ماہ اس کے ساتھ گزارے اور دل بھرنے پر اسے چھوڑ کر پھر سے گھر آگیا۔

کچھ چھ ماہ گھر رہا مگر باہر کی عورت کی لت نے اسے یہ بھلا دیا کہ اس کی بیوی پھر سے ماں بننے والی ہے۔ اور اس کے دو عدد بچے بھی ہیں۔۔ اس کی زندگی میں پھر سے ایک نئی بلا کی حیسن فلمی ہیروئن سوہا جان آ گئی، جس کی ابھی تک کوئی بھی فلم منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ وہ ہیروئن مشہور ہونا چاہتی تھی۔ شہزاد نے اس کی پبلسٹی پر بہت پیسہ لگایا۔ اس طرح وہ ہر وقت شہزاد کے ساتھ نظر آنے لگی اور یہ بات شوشل میڈیا تک پہنچ گئی اور پھر کچھ عرصے تک شہزادا اور سوہا جان کے نکاح کی خبر بھی منظر عام پر آ گئیں۔

الیزے کو جب پتا چلا تو وہ اتنا دل برداشتہ ہوئی کہ ذہنی اذیت کا شکار ہو گئی۔۔ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت بگڑ گئی۔ وہ بات بے بات روتی، لڑتی جھگڑتی اور خود کو کمرے میں بند کر لیتی جبکہ پریگننٹ ہونے کی وجہ سے اسے جسمانی طور پر مکمل آرام اور سکون کی ضرورت تھی۔

بلقیس اور فیصل دونوں کو ہی الیزے سے بہت محبت تھی اور وہ الیزے کو اس تکلیف میں

دیکھ کر پریشان رہنے لگے۔ فیصل کو جب خبر ملی کہ شہزاد نے فلمی ہیروئن سے نکاح کر لیا ہے۔ فیصل اس فلمی ہیروئن سوہا جان کے گھر پہنچ گیا۔ شہزاد وہیں موجود تھا۔ باپ کو سامنے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔

فیصل نے شہزاد کو فلمی ہیروئن سوہا جان کے سامنے ہی تھپڑ مارا۔ شہزاد بلکل بھی اس ردعمل کے لئے تیار نہ تھا۔ فیصل نے نہایت غصے سے کہا کہ "ابھی کے ابھی میرے سامنے اسے طلاق دو اور کل تک کاغذ تیار کروا کر بھجوا دینا اور میرے ساتھ گھر چلو"

اس ہیروئن کے حسن اور اداؤں کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ شہزاد نے طلاق دینے اور اس وقت ساتھ چلنے سے منع کر دیا۔ فیصل ڈوگر کو شہزاد سے اس سب کی بلکل بھی امید نہیں تھی۔ فیصل نے سوہا جان کو بتایا کہ "شہزاد دو بچوں کا باپ ہے اور اس کی بیوی پھر ماں بننے والی ہے۔ تم جیسی کئی آئیں اور کچھ عرصے بعد چلی گئیں اس کی زندگی سے دور۔۔ تمہارا کتنا نمبر ہے اس کی زندگی میں ذرا پوچھ کر دیکھو اسے یاد بھی نہیں ہو گا۔ تم نے جس پیسے کے لئے شادی کی ہے اس سے کہیں زیادہ اس کو چھوڑنے پر میں تمہیں دوں گا۔"

سوہا جان بڑی مکاری سے روتی شکل بنا کر شہزاد کا ہاتھ پکڑ کر بولی "مجھے سلطان سے محبت ہے

اور دولت کے لئے نہیں کی شادی میں نے۔ سلطان سے امیر لوگ میرے دیوانے تھے۔ یہ سچی محبت کرتے ہیں مجھ سے اور اگر ان کی بیوی انھیں مکمل کر پاتی تو وہ دربدر محبت کی تلاش میں نہ پھرتے اور مجھ سے پہلے کتنی آئیں سے مجھے کیا۔ میں ان کی آخری محبت ہوں" پھر کچھ لمحے رک کر دوبارہ اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی "ایک بات اور میں آپ کو یاد کروادوں کہ میں اب سوہا جان نہیں سوہا سلطان شہزاد ڈوگر ہوں۔ یہ تو مجھے گھر لے کر جانا چاہتے تھے ڈوگر ہاوس مگر میں نے ہی منع کر دیا۔"

یہ کہہ کر سوہا نے مسکراتے ہوئے شہزاد ڈوگر کو دیکھا اور شہزاد بجائے اس سب پر شرمندہ ہونے کے فخر سے بولا "بابا سوہا میری محبت ہے، میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے اور الیزے کو کیا مسئلہ ہے گھر میں بیٹھی ہے عزت سے۔ آپ سب ہیں نا اس کے پاس، اس سے محبت کرنے کے لئے بھی اور من پسند بہو کا خیال رکھنے کے لئے بھی"

لمحہ بھر کو فیصل ڈوگر کو لگا کہ جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین پھسل گئی ہو۔۔۔ مگر وہ اتنے بھی کمزور اعصاب کا مالک نہ تھا کہ بیٹے یا اس مکار سوہا پر یہ کیفیت ظاہر ہونے

دیتا۔

فیصل ڈوگر نے خود کی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کھا جانے والے انداز میں شہزاد سے کہا

"مجھے اسلام مت سیکھاو اور میں ایک فلمی رقصہ کو یہ اجازت کبھی بھی نہیں دوں گا کہ وہ میرے خاندان کا نام خود کے ساتھ جوڑے۔ شہزاد تمہیں فیصلہ کرنا ہو گا آج اور ابھی یہ ہیروئن یا تمہارا خاندان؟؟"

سوہا نے شہزاد کو ایسے دیکھا کہ اگر وہ نہیں ہو گا تو وہ خود کو ختم کر دے گی۔ فیصل ڈوگر سوہا کی ہر حرکت نوٹ کر رہے تھے اس سے پہلے کہ شہزاد کچھ بھی کہتا فیصل ڈوگر بولے "تمہیں ایک کو چننا ہے۔ یا تو ابھی کے ابھی اسے طلاق دو اور میرے ساتھ گھر چلو یا پھر تم پر ڈوگر ہاوس کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں گے"

شہزاد ڈوگر جو اس وقت سوہا کے حسن اور اداوں کے جال میں گھرا بیٹھا تھا بہت مطمئن انداز میں بولا "بابا اگر وہ گھر میرا بھی ہے تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ایک کو چنو۔ آپ کو

تو بیٹے کی خوشی عزیز ہونی چاہیے۔ آپ کو میرے ساتھ سوہا کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ ورنہ میں خود ہی اس گھر میں نہیں آوں گا۔"

بیٹے کی اتنی خودسری اور بدتمیزی جانے کیسے سہہ لی فیصل ڈوگر نے۔۔۔شاید خدا بڑے زخم ملنے سے پہلے حوصلے بھی بڑے کر دیتا ہے۔ فیصل ڈوگر جو اندرونی طور پر مکمل ٹوٹ چکے تھے بظاہر بہت نارمل رہتے ہوئے بولے "تمہیں ایک کو طلاق دینی ہے آج۔۔یا تو اس سوہا کو دو یا پھر میری بیٹی الیزے کو۔"

شہزاد کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا باپ کبھی بھی زندگی میں الیزے کو طلاق دینے کی بات کر سکتا ہے۔ شہزاد ڈوگر نہایت گستاخانہ انداز میں بولا "میں طلاق دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ میں چار بیویاں رکھ سکتا ہوں شرعا تو یہ تو بس دو ہیں۔ الیزے میرے بچوں کی ماں ہے اگر اسے طلاق لینی ہے تو میرے بچے میرے پاس چھوڑنے ہوں گے۔"

سلطان کی یہ بات سوہا کو بہت بری لگی مگر وقت کا تقاضہ تھا کہ وہ سلطان شہزاد کے ساتھ

کھڑی ہوتی۔ لہذا اس نے زبان سے کچھ کہے بنا آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان کی بات کی تائید کر دی۔

فیصل ڈوگر بہت غصے میں مگر طنزیہ انداز میں بولے "بلکل سلطان شہزاد تم چار رکھ سکتے ہو مگر ان بیویوں کی بھی مرضی ہونی چاہیے کہ وہ ساتھ رہنا چاہتی ہیں کہ نہیں اور میری بیٹی تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

باپ کی بات سن کر شہزاد ڈوگر ایک دم جیسے بوکھلا سا گیا اور اپنی طرف سے فیصل ڈوگر کی اصلاح کرتے ہوئے بولا "بابا وہ آپ کی بیٹی نہیں بہو ہے اور میری بیوی ہے"

فیصل ڈوگر نے سر سے پاوں تک ایک بار سوہا جان کا جائزہ لیا اور پھر بنا کوئی جواب دیئے باہر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ چند قدم چل کر رک گیا اور بولے "شہزاد آج کی رات سوچ لو۔ کل صبح دس بجے وکیل کے دفتر ملاقات ہوگی۔ سوچ کر آنا کہ کس کو طلاق دینی ہے۔"

فیصل چند پل کے لئے خاموش ہوئے اور پھر سوہا سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے "سوہا صاحبہ تم نے بہت غلط انسان کا انتخاب کیا ہے۔ اس کی محبت کا دورانیہ دل بھرنے تک ہی

ہے۔"

یہ کہتے ہوئے مسکرائے اور بیٹے کو دوبارہ یاددہانی کرائی "کل صبح دس بجے پہنچ جانا وکیل کے دفتر ورنہ میں کیا کیا کر سکتا ہوں تم جانتے ہو بہت اچھے سے۔

فیصل ڈوگر وہاں تو مضبوط چٹان کی طرح کھڑا رہے مگر اس گیٹ سے باہر نکلتے ہی انھیں اپنا جسم بلکل بے جان سا محسوس ہونے لگا۔۔ جس بیٹے پر بڑا مان تھا جس کی پیدائش پر اس کا نام سلطان رکھا تھا کہ وہ ان کی سلطنت کا وارث ہو گا آج اس کے ہاتھوں ہی رسوا ہونا انھیں اندر سے بلکل توڑ گیا۔ پیر جیسے بھاری زنجیر میں جکڑے ہوں۔ اٹھانے سے سارے جسم میں درد ہو رہی تھی۔ بمشکل گاڑی تک پہنچے۔ ان میں گھر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اسی گھر جانے کی بجائے گاڑی سنسان سڑک کی طرف کر دی۔ بلکل ویران اور سنسنان سڑک پر گاڑی روک لی اور باہر نکل کر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر رونے لگا۔ اپنے والد کی موت کے بعد آج پہلی بار فیصل ڈوگر روئے تھے۔ کتنی دیر وہ روتے رہے انھیں وقت گزرنے کا اندازہ بھی نہیں ہوا۔ فون گاڑی میں پڑا تھا اور بلقیس نے پچھلے دو گھنٹے میں دو ہزار کالز کر

ڈالیں تھیں۔ جانے کہاں سے دو تین گاڑیاں پاس آ کر رکیں۔ تیز اسپیڈ میں ریس لگانے کے شوقین لڑکے اکثر اس روڈ کو چنا کرتے تھے کہ رات کے اس پہر میں اکثر و بیشتر خالی ہی پائی جاتی ہے۔ ان لڑکوں نے اتنی ویران سڑک پر ایک بہت قیمتی گاڑی اور فٹ پاتھ پر بیٹھے شخص کو دیکھا جس کا بگڑا حلیہ بھی اس کی امریت کا پتا دے رہا تھا۔۔ مگر وہ ایسے نڈھال اور بے بس تھا جیسے اس کی دنیا لٹ گئی ہو تو ان سب نے اپنی گاڑیاں روک دی اور پھر ان میں سے دو لڑکے فیصل ڈوگر کے پاس آئے اور پوچھا "سر آپ ٹھیک ہیں۔ آپ کو کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔ اگر آپ کو ہاسپٹل جانا ہے تو ہم لے جاتے ہیں"

فیصل ڈوگر جو سڑک پر نظریں گاڑیں خود کو الیزے اور اپنی اگلی نسل کا مجرم ٹھہرائے بیٹھا تھا۔ انھوں نے آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر کیا اور ارد گرد دیکھا۔ وہ تو روتے ہوئے یہ بھی بھول گئے تھے کہ وہ ہیں کہاں؟؟ کورٹ کی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر آنسو صاف کئے، اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور واپس وہی مضبوط فیصل ڈوگر بن کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے

"بہت بہت شکریہ بیٹا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔۔ اللہ تعالی آپ سب کو سدا نیکی کی راستے پر رکھے۔۔ آمین"

فیصل ڈوگر ایک اصول پسند انسان تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ایک انتہائی کامیاب اور مشہور ترین بزنس مین تھے۔ انھوں نے زندگی میں کبھی بھی اپنی بیوی کی حق تلافی نہیں کی تھی۔ نہ ہی بلقیس ڈوگر کے علاوہ چند پل ہی سہی کسی دوسری عورت کے ساتھ گزارے تھے۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ بلقیس بہت پریشان تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔
فیصل ہمیشہ ہی شام آٹھ بجے گھر ہوتے اور اگر کوئی بزنس میٹنگ ہوتی تو بلقیس کو دن میں کئی بار کال کر کے بتاتے کہ وہ منتظر نہ رہے اور پریشان نہ ہو۔ ملک تو کیا وہ شہر سے بھی جب جب کہیں باہر جاتے تو بلقیس کو ساتھ لے کر جاتے کہ سفر بھی اچھا گزرے گا اور بلقیس کی سیر و تفریح اور شاپنگ بھی ہو جائے گی۔ آج پہلی بار ایسا ہوا کہ فیصل بن بتائے گھر سے گئے اور رات کے تین بجے تک کوئی رابطہ نہ تھا۔ بلقیس سوچ رہی تھی کہ وہ پولیس کو انفارم کرے، اتنے میں مین گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ بلقیس بلکل بچوں کی طرح دروازے کی طرف دوڑی۔

Club for Quality Content
novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خود اپنی ذات کو بے وزن کر گئے ہم بھی

خلا ملا تو خلا میں اتر گئے ہم بھی

فیصل ڈوگر نے بظاہر اپنی پریشانی چھپائی اس خوف سے کہ شاید اندر الیزے بھی جاگ رہی ہو تو اس وقت اس کی حالت ایسی نہیں کہ صدمہ پہنچایا جائے اسے۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے نظروں نظروں میں سارے گھر کا محاصرہ کیا اور بلقیس کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے "ایک کپ سٹرانگ کافی وید آوٹ شوگر ملے گی کیا بیگم صاحبہ آج بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔"

بلقیس بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر فیصل کی حالت دیکھ کر خاموش ہو گئ۔ کافی بنا کر جب کمرے میں پہنچی تو دیکھا کہ فیصل کپڑے بدل کر کسی کے ساتھ کال پر مصروف تھے۔ چند سیکنڈ لگے اسے جاننے میں کہ کال کی دوسری طرف الیزے کے والد تھے۔ فیصل انکو جو بتا رہے تھے بلقیس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئ سن کر۔

فیصل ڈوگر کہہ رہے تھے "شہزاد نے فلمی رقاصہ سوہاجان سے نکاح کر لیا ہے اور وہ کسی بھی قیمت اسے چھوڑنے اور گھر واپس آنے کو تیار نہیں۔"

انھوں نے اپنے حتمی فیصلے سے بھی ان کو آگاہ کر دیا کہ "میں نے شہزاد کو کہا ہے کہ یا اسے رکھے یا الیزے کو۔۔ آپ سے گزارش ہے کہ صبح آٹھ بجے تک لازم ہمارے گھر پہنچ جائیں ۔۔میں آپ دونوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں جو بہتر ہے کہ آمنے سامنے بیٹھ کر ہو۔ میں نے کچھ فیصلے کئے ہیں مگر الیزے اور آپ دونوں کی مرضی کے بنا میں ان کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔"

کال پر معظم عباسی نے کیا کہا نہیں معلوم بلقیس تو بس فیصل کی باتیں سن کر ہی پریشان ہو گئی اور کال بند ہوتے ہی بولی "وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے۔ دو بچوں کا باپ ہے اور چند دنوں میں دو اور جڑواں بچے پیدا ہونے والے ہیں۔ الیزے کے ساتھ یہ سب کرنے کی اجازت اسے کس نے دی۔ بہت اچھی بچی ہے۔ بہت صابر بیٹے۔ شہزاد کو آپ ساتھ کیوں نہیں لائے۔ اسے اس کے حال پر کیوں چھوڑ آئے؟؟"

فیصل ڈوگر جواب تک خود کی کیفیت پر قابو پا چکے نہایت تحمل سے بولے "میں نے بہت کوشش کی ہے مگر اس وقت اس ہیروئن کے عشق کا بھوت اس پر سوار ہے۔ وہ پانی کی طرح پیسہ اس پر بہا رہا ہے۔ آج وہ اس عورت کے لئے باپ کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ وہ

کہتا ہے وہ اسے نہیں چھوڑے گا تو بلقیس پھر اسے الیزے کو چھوڑنا ہو گا۔"

فیصل کے اس جملے پر بلقیس ایک دم چونکتے ہوئے بولی "الیزے بہو ہے اس گھر کی۔۔ ہماری اگلی نسل کی ماں ہے۔ ایک شریف خاندان کی نہایت شریف بچی۔۔ آپ ایسا ظلم اس کے ساتھ کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟"

فیصل ڈوگر خاموشی سے کافی پیتے ہوئے بلقیس کی ساری بات سنتے رہے۔ ان کے خیال میں بلقیس اپنے حساب سے بلکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مگر جو کچھ آج فیصل ڈوگر دیکھ اور سن آئے تھے اس کے بعد ان کی سوچ یکسر بدل گئی تھی۔ وہ کافی کا مگ میز پر رکھتے ہوئے بولے "الیزے کیوں ایک ایسے انسان کے نام پر زندگی برباد کرے جو اس کی بے لوث محبت اور قربانیوں کے قابل نہیں ہے۔ بلقیس ہماری اپنی بھی چار عدد بیٹیاں ہیں۔۔ تم دل پر ہاتھ رکھ کر بتاو کیا تم کبھی اپنی کسی بھی بیٹی کو ایسے انسان کے ساتھ رہنے پر مجبور کرو گی جو نہ تو اس کی عزت کرتا ہو اور نہ ہی قدر۔۔ بلکہ جس کی زندگی میں آئے دن کوئی نئی لڑکی داخل ہو جاتی ہو؟"

بلقیس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور سر بے اختیار نفی میں ہل گیا تو فیصل ڈوگر اپنے بات جاری رکھتے ہوئے بولے "میں نے اسی لئے کل صبح دس بجے شہزاد کو اکیلے وکیل کے دفتر میں بلایا ہے۔ ممکن ہے اکیلا آئے تو اسے کچھ سمجھا سکوں اور وہ سمجھ جائے۔ وہ اگر اس ہیروئن کو طلاق نہیں دے گا تو الیزے کو پھر دینی ہوگی۔"

بلیقوں بہت بے چین ہو گئی۔ مگر وہ کچھ بولی نا۔

اگلے دن صبح فیصل ڈوگر نے الیزے کو پیغام بھیجوایا کہ ناشتہ ساتھ میں کریں گے آج۔ ورنہ الیزے کی صحت کو دیکھتے ہوئے اسے کوئی بھی جلدی جگائے تو بلقیس ناراض ہو جاتی تھی۔ مگر آج وہ خود الیزے کو جگانے گئی کہ فیصل اس کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ الیزے کو سن کر تھوڑی بے چینی ہوئی مگر بلقیس نے ٹال دیا کہ سب ٹھیک ہے۔ الیزے فریش ہونے چلی گئی اور بلقیس ناشتے کی تیاری دیکھنے کی غرض سے چلی گئی۔ جب الیزے ناشتے پر آئی تو فیصل نے اسے پاس بیٹھا کر سمجھانے والے انداز میں کہا "تم میری بہو نہیں بیٹی ہو اور مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی میری ہی طرح مضبوط اعصاب کی لڑکی ہے اور یہی بات تمہیں دوسری لڑکیوں سے مختلف بناتی ہے۔" ابھی اتنی ہی بات کی تھی کہ الیزے کے

والدین کی آنے کی اطلاع ملی۔ فیصل نے ملازم سے کہا کہ "انھیں یہیں ناشتے کی میز پر لے آو۔"

الیزے یہ سب دیکھ کر حیران سے زیادہ پریشان تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اتنی سویرے اس کے والدین کیوں آئے ہیں اور فیصل ڈوگر کیا کہنے والے تھے کہ رک گئے۔ سلام دعا اور رسمی جملات کے بعد سب ناشتے کی میز پر بیٹھ گئے۔ گرم گرم ناشتہ لگنے لگا۔ آملیٹ، فرائی انڈے، ڈبل روٹی، پراٹھے، حلوہ پوری، فریش جوس، پھل اور چائے وغیرہ۔ ناشتے کے دوران معظم عباسی نے فیصل ڈوگر کو دیکھا کہ جیسے وہ رات والی بات کی تفصیل پوچھنا چاہ رہے ہوں اور فیصلہ جو فیصل ڈوگر نے کیا ہے وہ کیا ہے؟"

فیصل ڈوگر جو خود کو اندر سے بلکل تنہا اور خالی محسوس کر رہے تھے مسکرا کر بولے

"معظم صاحب ناشتہ کیجئے پہلے تسلی سے پھر بہت تفصیل سے ساری باتیں ہوں گی"

ڈائنگ روم میں مکمل خاموشی چھا گئی مگر ہر کوئی ذہنی طور پر پریشان تھا کہ کیا ایسا ہے کہ فیصل ڈوگر نے اس طرح ہنگامی طور پر سب کو بلایا ہے۔ ناشتے کے بعد وہیں بیٹھے فیصل ڈوگر نے وہاں موجود باروچی سے کہا کہ سب کو گرم گرم چائے کافی پیش کرے اور باقی سب

ملازم وہاں سے فی الحال چلے جائیں۔چائے کافی سرو ہونے کے بعد فیصل نے اسے بھی

باہر جانے کا اشارہ کیا۔

فیصل نے الیزے کو مخاطب کر کے بات شروع کی"الیزے میری بیٹی بہت مضبوط

اعصاب کی مالک ہے اور یہی بات اسے باقی سب لڑکیوں سے منفرد اور خاص بناتی ہے۔"

الیزے فیصل کو پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "ابو شہزاد ٹھیک ہیں نا؟"

فیصل نے الیزے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا"شہزاد بلکل ٹھیک ہے۔ مگر اب تمہیں

ٹھیک ہونا ہے۔ میں جو کچھ بھی کہنے جارہا ہوں اسے ایک عام لڑکی کی طرح مت سننا بلکہ

ایک مضبوط انسان کی طرح سننا۔ جیسے ایک جج کے سامنے اس کے بھائی یاباپ کو بھی قتل

کے مقدمے میں لایاجاتا ہے تو وہ بنا ہچکچاہٹ کے اپنے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے حق کا

ساتھ دیتا ہے۔۔۔ تم بھی آج ایک جج ہو،اپنی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے تمہیں۔ آخری فیصلہ

تمہارا ہو گا کیونکہ یہ فیصلہ تمہاری زندگی کے بارے میں ہے۔ ہم سب کی صرف رائے ہو گی۔

تم جو بھی فیصلہ لو گی ہم ساتھ ہوں گے۔ایک فیصلہ میں نے بھی کیا ہے مگر میں اسے تم پر

مسلط نہیں کروں گا۔"

الیزے کیا کمرے میں موجود سب ہی لوگ بہت بے چین ہو گئے کہ ایسا کیا ہے سب اکٹھے ہوئے ہیں۔ فیصل ڈوگر نے بنا کچھ بھی چھپائے سب کے سامنے شہزاد کی ایک ایک حرکت، اب تک کے عشق اور شادیاں اور رات شہزاد کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو سب کو بتادی، ساتھ میں یہ بھی بتایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ الیزے اس سے طلاق لے لے کیونکہ شہزاد الیزے جیسی اچھی لڑکی کا حقدار نہیں۔

معظم عباسی غصے میں پاگل ہو گئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شہزاد کو مار دیں مگر الیزے نے باپ سے درخواست کی کہ کیا "وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آخری فیصلہ اس کا ہو تو ناراض نہ ہوں اسے فیصلہ کرنے دیں۔"

معظم عباسی خاموش ہو گئے۔ الیزے کچھ دیر رکی۔ خود کو سنبھالا اور فیصل ڈوگر کو مخاطب کر کے بولی "ابو شہزاد اگر سوہا جان کو چھوڑ بھی دیں تب بھی میں ان سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔ میں یہ سب جانتی تھی مگر اس لئے خاموش تھی کہ آپ سب شاید نہیں جانتے اور دکھ نہیں دینا چاہتی تھی آپ سب کو۔۔ جب آپ سب ہی اب جان گئے ہیں اور میری زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی مجھے دیا ہے تو میں مزید شہزاد کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

اس سے پہلے کہ بلیقس یا مریم کچھ بھی جذباتی بات کرتیں، فیصل ڈوگر بولے "بیٹا میں ہر فیصلے میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہوں اور یقیناً عباسی صاحب آپ بھی۔ میں نے شہزاد کو بلایا ہے وکیل کے دفتر دس بجے۔ پھر انھوں نے الیزے سے دوبارہ سوالیہ انداز میں پوچھا کہ "اگر وہ کہے کہ وہ سوہا جان کو چھوڑتا ہے تب بھی کیا اسے کہوں کہ تمہیں طلاق چاہیے۔ "

الیزے آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو بنا چھپکے بولی "جی ابو۔۔۔ میرے دونوں والدین یہاں موجود ہیں میں ان سے اجازت لے کر یہ فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔۔ میرے اس فیصلے پر کوئی ناراض تو نہیں مجھ سے۔ ابو آج سوہا جان چلی بھی گئ تو کل کوئی اور آجائے گی۔ شہزاد کبھی بھی مکمل میرے نہیں ہوئے۔۔ میرے ساتھ ہوتے بھی وہ اوروں کے خیالوں اور سوچ میں گم رہتے ہیں۔۔ ابھی دو بچے ہیں۔۔ چند ماہ تک دو اور آجائیں گے۔ ان کی ان سب حرکات کا بچوں کی تربیت پر برا اثر پڑے گا۔ اور پھر جب ایک انسان میرے ساتھ کبھی مخلص رہا ہی نہیں تو میں کیوں خود کو دہری اذیت میں مبتلا رکھوں۔۔ جب تک اس کے نکاح میں رہوں گی تکلیف میں مبتلا رہوں گی کہ میرا وقت، میرا حق دوسروں کو دے رہا ہے۔۔ لیکن جب میں اس کے نکاح میں نہیں ہوں گی تو وہ اپنا وقت کسی فلمی ہیروئن کو

دے یا کالے چور کو مجھے اس سے فرق نہیں پڑے گا۔۔میں خود کو اس دوہری اذیت سے آزاد کروانا چاہتی ہوں"

معظم عباسی نے تو صرف سر پر پیار دیا مگر فیصل ڈوگر بہت مطمین نظر آنے لگے اور مسکراتے ہوئے بولے "آج میری بیٹی نے زندگی کا سب سے صحیح فیصلہ کیا ہے"

آج کا دن:

شہزادیہ سب یاد کرتے ہوئے ہر بار سوچتا کہ کاش وقت کا پہیہ واپس پھر جائے اور میں اپنی ساری غلطیوں کو ٹھیک کر سکوں۔ ابھی وہ ماضی کی تلخ وادی سے واپس نہیں آیا تھا کہ اسے الیزے کی آواز آئی کہ جیسے وہ اسے کچھ کہہ رہی ہو۔بہت بے چین ہو کر آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔گھڑی دیکھی تو تین گھنٹے گزر چکے تھے اسے ماضی کی وادی میں رہتے ہوئے۔اٹھ کر وہ واش روم چلا گیا تاکہ فریش ہو جائے۔اسے سارہ کے سسرال جہیز کا کچھ سامان بھجوانا تھا۔۔اس کام کی ذمہ داری تو محسن کی تھی مگر پھر بھی وہ خود نگرانی کرنا چاہتا تھا تاکہ سب بہت اچھے سے ہو۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی کی کسی بھی چیز میں کوئی کمی رہ جائے۔

الیزے کے پاس وقت کم تھا، وہ ابھی تک اپنی بیماری کو سب سے چھپائے ہوئے تھی اور بلکل نارمل رویہ رکھے تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ سارہ کی شادی کی خوشیاں خراب ہوں۔ وہ اب بچوں کے ساتھ کم وقت گزارتی کہ کسی کو بھی اندازہ نہ ہو اور سب یہی سمجھیں کہ سارہ کی وجہ سے اداس ہے۔ آج ماہیوں کی رسم تھی۔ سارہ کی ساری پھوپھو، ماموں، کزن اور نانا نانی سب ہی موجود تھے۔ الیزے خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ بلکل بھی نہیں چاہتی تھی کہ کسی طرح بھی کسی کو کچھ خبر ہو۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی عدالت سے واپس لوٹی تھی۔ اوپر کمرے میں آئی ہی تھی کہ دروازہ کھٹکھٹا۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی مگر سامنے بلقیس ڈوگر کو دیکھ کر ارادہ ملتوی کر دیا۔ "ماما خیریت آپ کو تو ڈاکٹر نے سیڑھیاں چڑھنے سے منع کیا ہے۔ آپ مجھے بلا لیتیں۔"

بلقیس نے اس کے سر پر پیار دیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔ آج بس دل کیا کہ اپنی بیٹی کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں بنے سنورانے کا شوق نہیں۔۔۔ مگر بیٹی کی شادی پر کچھ تو تیار ہو گی نا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں

کہ تم نے خود کے لئے کوئی شاپنگ نہیں کی۔ میں تمہارے لئے مہندی پر پہننے کے لئے سوٹ اور کچھ زیور لائی ہوں مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تم یہ کپڑے اور زیور پہنو گی۔"
بلقیس نے بہت سے بیگ اس کی طرف بڑھائے جو محسن ساتھ میں لایا تھا اور خاموشی سے کھڑا دادی کی بات سن رہا تھا بلقیس نے دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے کہا "ان میں مہندی، بارات اور ولیمے سب دن کے لئے کپڑے اور زیور موجود ہیں۔"
الیزے بلقیس اور محسن کو دیکھتے ہوئے بیگ میں سے سوٹ نکالنے لگی اور مہندی کا سوٹ دیکھ کر چونکتے ہوئے ایک دم بولی "آپ جانتی ہیں میں نے تو یہ رنگ زمانے ہو گئے کبھی نہیں پہنا اور وہ بھی لہنگا چولی۔"
بلقیس مسکراتے ہوئے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں تو جانتی ہوں بہت اچھے سے مگر تمہارے یہ جو دونوں صاحبزادے ہیں نا سب چیزیں مکمل ان کی پسند کی ہیں وہ اپنی ماما کو سجا اور تیار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چاہتی تو میں بھی یہی ہوں مگر شاید میں اکیلی جاتی تو تمہاری پسند کے مطابق خریداری کرتی مگر یہ بضد تھے کہ سارہ کی شادی پر وہ تمہارے لئے اپنی پسند کی ساری شاپنگ کریں گے تو اب تمہیں ان کی خواہش تو پوری کرنا ہی ہو گی"

اس سے پہلے کہ الیزے کچھ بھی کہتی محسن بولا "ماما پلیز ہم سب کے لئے آپ یہ سب پہننا اور بہت اچھا تیار ہونا۔ ہم سب کو بہت اچھا لگے گا"

الیزے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "اچھا بابا ٹھیک ہے، جیسے آپ سب خوش۔"

بلقیس نے محسن کو جانے کا کہا کہ وہ بھی تیار ہو اور خود وہیں بیٹھی رہی۔ محسن کے جانے کے بعد بلقیس نے الیزے سے پوچھا "کیا بات ہے تم دن بدن کمزور کیوں ہو رہی ہو۔ کیا کوئی پریشانی ہے۔ پچھلے کچھ مہینوں میں تمہارا کافی زیادہ وزن کم ہوا ہے اور اب تم ہر وقت چہرے سے تھکی تھکی لگنے لگی ہو"

الیزے ایک دم گھبرا گئی مگر دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے بولی "نہیں تو۔۔۔ بھلا مجھے کیا پریشانی ہو گی۔۔ آپ جانتی تو ہیں ایک بہت مشکل کیس میں کئی ماہ سے الجھی ہوئی تھی اسی وجہ سے بس خود پر توجہ نہیں دے پائی اور ساتھ میں سارہ کی جدائی کا سوچ کر دل دکھتا ہے تو شاید یہی وجہ ہے۔ آپ بالکل پریشان مت ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں"

الیزے کی بات سے بلقیس کی تسلی نہ ہوئی اور فکر مندانہ انداز میں بولی "خدا کرے بس یہی

وجہ ہو۔ اچھا میں چلتی ہوں۔۔۔ تم کچھ دیر آرام کر لو۔ اس وقت بھی بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔۔ پھر کپڑے بدل کر اچھے سے تیار ہو جانا سارہ بھی ابھی سو رہی ہے۔" بلقیس کے جانے کے بعد الیزے لیٹ تو گئی مگر سوچوں نے اسے گھیر لیا۔

پچیس سال پہلے:

جب شہزاد ڈوگر نے سوہا جان کے عشق میں اسے طلاق دی۔ الیزے نے طلاق لینے کا کہا ضرور تھا مگر اندر کہیں اس کے دل کی گہرائی میں یہ خواہش بھی تھی کہ شہزاد ڈوگر ایسا نہ کرے۔ وہ واپس لوٹ آئے۔ مگر اس دن شہزاد اپنے ساتھ سوہا جان کو بھی لایا یہ بتانے کہ کچھ بھی ہو جائے وہ سوہا جان کو نہیں چھوڑے گا اور وہ الیزے کو طلاق دے کر وہاں سے چلا گیا۔ الیزے کے پھر جوڑواں بچے حسن اور زارا پیدا ہوئے۔ الیزے کے والدین طلاق کے بعد اسے ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر فیصل ڈوگر اور بلقیس نے کہا کہ "الیزے بیٹی ہے اس گھر کی اور بیٹیاں کچھ بھی ہو گھر چھوڑ کر نہیں جاتیں۔ آج سے یہ یہیں رہی گی بہو نہیں بیٹی کی حیثیت سے۔"

معظم عباسی اور مریم نے بہت کوشش کی۔ مگر الیزے کی بھی یہی خواہش تھی کہ اس

کے بچے اپنے دادادادی کے سامنے پلے بڑھیں۔ بیٹے کے دکھ نے انھیں پہلے ہی مردا کر دیا تھا اب اگر وہ بھی چلی گئ تو ان میں جینے کی خواہش ختم ہو جائے گی۔ الیزے کے ڈوگر ہاوس میں رہنے پر وقتی طور پر اس کے والدین ناراض ضرور ہوئے مگر بعد میں اپنی بیٹی کی خوشی اور خواہش کی خاطر مان گئے۔

فیصل ڈوگر نے فیصلہ کیا کہ الیزے کو اوپر والا پورا پورشن الگ کر دیا جائے۔ جس میں باقاعدہ کچن بھی ہو اور سیڑھیاں گھر کے باہر سے بھی ہوں۔۔۔یہ بھی الیزے ہی کی خواہش تھی کہ اگر کبھی شہزاد ڈوگر واپس لوٹ آئے تو اسے آنے سے روکا نہ جائے۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کا سامنا نہ ہو تو بہتر ہے اس کے لئے اوپر کے پورشن کو باہر سے سیڑھیاں بنوادی جائیں۔ بچوں کے تھوڑے سے سمجھدار ہوتے ہی فیصل ڈوگر اور بلقیس نے الیزے کو پریکٹس کرنے کے لئے منالیا اور اس طرح الیزے کی زندگی روٹین میں آ گئ اور اس کا سفر اپنے خوابوں کی تعبیر کی طرف شروع ہو گیا۔ وقت گزرتا رہا شہزاد کو اس کے جڑواں بچوں کی پیدائش کی خبر کوئی دوماہ بعد ملی۔ گھر والوں نے اس سے ہر طرح کا رابطہ ختم کر دیا مگر فیصل ڈوگر نے رابطہ ختم کر کے بھی نظر رکھی تھی اس پر۔ کچھ جاسوس لگا

رکھے تھے جو پل پل کی خبر دیتے تھے۔ فیصل ڈوگر کو اطلاع ملی کہ ناران کاغان کی کوٹھی اور دو ہوٹل شہزاد نے اس کے نام کئے ہیں اور یہ سب لینے کے کچھ عرصہ بعد سوہا جان نے اس سے طلاق لے لی اور کہیں چلی گئی۔

گر سکوں چاہیئے اس لمحہ موجود میں بھی
آؤ اس لمحہ موجود سے باہر نکلیں

دس سال پہلے:

شہزاد نے کچھ عرصہ اس کے غم میں گزارا لیکن جلد ہی اس کی زندگی میں امریکہ میں رہائش پذیر پاکستانی پاپ سنگر آ گئی۔ الغرض کہ اس طرح دربدر کی ٹھوکریں کھاتے اور پیسہ لٹاتے دس سال گزر گئے۔ شہزاد نہ تو ان دس سالوں میں گھر آیا اور نہ ہی گھر والوں کی کوئی خبر رکھی البتہ فیصل ڈوگر کو اس کے ہر پل کی خبر رہتی۔ دس سالوں کے دوران فیصل ڈوگر نے اس کے سارے کاروباری معاملات کو خود دیکھنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ شہزاد ڈوگر کے اکاؤنٹ میں پیسے دن بدن کم ہونے لگے۔ جیسے ہی اس کے اکاؤنٹس میں پیسوں کی کمی

ہوئی اس کے گرد منڈلانے والی تتلیوں میں بھی کمی ہوتی گئ اور پھر ایک وقت ایسا آیا جب شہزاد ڈوگر بلکل اکیلا رہ گیا۔

وہ واپس گھر جانا چاہتا تھا مگر اسے سمجھ نہ آئی کہ کیسے واپس جائے جب کہ اتنے سالوں میں اس نے کبھی گھر والوں کی خیر خبر نہیں رکھی تھی۔۔۔اس نے اپنی والدہ کو فون کیا تو انھوں نے نہایت روکھے انداز میں پوچھا "کیا پیسے ختم ہو گئے اور ڈلوادوں اکاؤنٹ میں تمہارے"

لمحہ بھر کو شہزاد کو لگا کہ ماں بن دیکھے بھی اس کے دل کا حال جانتی ہے۔ شہزاد ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا بات کرے کہ بلقیس ڈوگر دوبارہ بولیں "جواب دو پیسے ختم ہو گئے ہیں، کہو کتنے چاہیں" شہزاد ڈوگر نے جواب میں پوچھا کہ "بابا کیسے ہیں، آپ کیسی ہیں؟"

بلقیس نے لمبی گہری سانس لی اور فون کاٹ دیا۔ شہزاد سمجھ ہی نہیں پایا کہ بلقیس کیوں چپ تھی۔ شہزاد کافی دیر سوچتا رہا کہ کس سے پوچھوں سب کے بارے میں، فیصل ڈوگر کو کال کرنے کی اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ دو دن اسی طرح گزر گئے پھر اس نے اپنی چھوٹی بہن (عطیہ) کو کال کی تو اس نے بھی نہایت ہی خشک انداز میں جواب دیا۔

شام کو شہزاد نے بلقیس کو ہی دوبارہ کال کی تو اس کا فون کسی لڑکے نے اٹھایا۔ شہزاد اپنی ماں کی عادت سے واقف تھا کہ اس کا فون کسی بھی اور کو اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ شہزاد سوال کرتا اس لڑکے نے کہا کہ "دادا ابو کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور دادو ان کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ نے دادو سے بات کرنی ہے تو فی الحال ممکن نہیں" اور کال کاٹ دی۔

فون پر ایک جوان اور بارعب آواز سن کر شہزاد سوچتا ہی رہ گیا کہ "کیا یہ اس کا بیٹا بول رہا تھا؟"۔۔۔ یہ بات سوچ کر بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی مگر لمحہ بھر میں جیسے ایک بجلی کی لہر دوڑ گئی۔ "الیزے کو تو اس نے طلاق دے دی تھی۔ اس کا بیٹا یہاں کیا کر رہا ہے؟ کیا الیزے بچے چھوڑ کر چلی گئی تھی؟ کیا بابا کی طبیعت اتنی خراب ہے کہ یہ سب ملنے آئیں ہیں؟ اماں نے فون خود نہیں اٹھایا تو مطلب۔۔ مطلب بابا کی طبیعت بہت خراب ہے؟؟" یہ سب سوچ سوچ کر اس کے سر میں درد شروع ہو گیا۔

ابھی انھیں سوچوں میں تھا کہ فیصل ڈوگر کے نمبر سے کال آئی اور وہی لڑکا بول رہا تھا "اسلام و علیکم۔۔ آپ سے دادا ابو نے بات کرنی ہے۔"

اس سے پہلے کہ شہزاد کچھ بھی پوچھتا فیصل ڈوگر کی آواز سنائی دی۔ جسے سن کر شہزاد کانپ گیا۔ "میرے پاس وقت بہت کم ہے اور مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو گھر آجاو۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی کال کٹ گئ۔۔۔ شہزاد عجیب کشمکش و پیچ کا شکار ہو گیا۔ اٹھا نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ بال بنانے آئینہ کے سامنے آیا تو کسی کو خود پر ہنستے ہوئے دیکھا۔ مگر

کون تھا وہ؟؟؟ جو اس کے سامنے اس پر ہی ہنس رہا تھا۔ "اس کا ضمیر؟؟؟"

شہزاد نے جھنجھلا کر سوال کیا "کون ہو تم اور کیوں ہنس رہے ہو؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تمہیں اتنی ہنسی آرہی ہے "مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

دو گھنٹے کے فاصلے کو شہزاد نے ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا۔ گھر آیا تو چوکیدار نے پہچانتے ہی گیٹ کھول دیا۔ اندر آیا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ کار پورچ میں سے سیڑھیاں اوپر کی منزل کی طرف جارہی تھیں۔ اسے حیرت ہوئی کہ ایسا کیا ہوا کہ گھر کو دو حصوں میں بانٹا گیا، باہر سے سیڑھیاں کیوں دینی پڑیں۔ اندر آیا تو بلکل خاموشی تھی، ہر طرف سناٹا تھا۔ ملازم نے

بتایا کہ "بڑے صاحب اپنی آرام گاہ میں آپ کے منتظر ہیں۔ شہزاد بہت ہی بوجھل قدموں سے فیصل ڈوگر کے کمرے کی طرف بڑھا۔"

دروازہ کھٹکھٹایا تو آواز آئی "آجاو، تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔" یہ بلقیس کی آواز تھی۔ اتنے سالوں بعد بھی وہی بارعب انداز اور وہی لہجہ۔ شہزاد اندر گیا تو دل ہلا دینے والا منظر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس پر جان فدا کرنے والا اس کا باپ جو بھرے زمانے میں بہت مان سے کہتا تھا میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کا نام سلطان اس لئے رکھا ہے کہ میری سلطنت کا سلطان ہے۔ وہ اس وقت بہت ہی کمزور حالت میں بستر پر پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر انھوں نے اشارے سے پاس آنے کا کہا۔

بلقیس سامنے صوفے پر بیٹھ گئ اور جگہ شہزاد کو دے دی۔ فیصل ڈوگر شہزاد کو مخاطب کر کے بولے "شہزاد میرے پاس وقت کم ہے اور آج تمہیں یہاں بلانے کا مقصد تھا کہ مرنے سے پہلے تمہیں چند باتیں بتا دوں۔ ایک تو یہ کہ میں نے یہ گھر تمہاری ماں اور الیزے کے مشترکہ نام کر دیا ہے۔ باقی میرے جتنے بھی گھر ہیں سب تمہاری ماں کے نام کر دیئے ہیں۔ الیزے کو میں نے اس گھر میں رکھا تھا اور الیزے کبھی بھی اس گھر سے کہیں نہیں

جائے گی۔ میں نے اپنی جائیداد میں سے اپنی بیٹیوں کو ان کے حصے کی وراثت دے دی ہے تو تمہارا اس سب میں کوئی لینا دینا نہیں۔ میرا سارا کاروبار الیزے کے چاروں بچوں کے نام ہے اور اس کی نگرانی ان کے بالغ ہونے تک میری بیوی اور ان بچوں کی دادی بلقیس ڈوگر کرے گی۔ میں نے چاہا تھا کہ الیزے یہ ذمہ داری قبول کرتی مگر اس نے منع کر دیا۔ تمہارا میرے کاروبار پر نہ تو کوئی حق ہو گا اور نہ حصہ۔ تمہارا اوراثت میں جو بھی حصہ بنتا تھا میں نے تمہارے نام کر دیا ہے۔ مگر ان بچوں کی وراثت سے تمہارا کوئی بھی لینا دینا نہیں۔"

کچھ دیر خاموشی کے بعد فیصل ڈوگر دوبارہ بولے "تم واپس آنا چاہو تو تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں مگر یہ بات یاد رکھنا کہ گھر کی مالکن بلقیس اور الیزے ہیں۔ اوپر کا پورا پورشن الیزے کا ہے تو تم کبھی بھی اس حصے میں جانے کی غلطی مت کرنا اور کوشش کرنا کہ تمہارا سامنا الیزے سے نہ ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد میری بیٹی کسی ذہنی اذیت سے دوچار ہو۔"

شہزاد کو باپ کی ایسی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا تھا مگر اسے غصہ بھی تھا کہ اتنے سالوں بعد باپ نے بلایا بھی تو اسے یہ بتانے کہ اس کی چھوڑی ہوئی لڑکی کی آج بھی اس گھر میں عزت اور اہمیت اس سے زیادہ ہے۔

فیصل ڈوگر شہزاد سے مزید کہہ رہے تھے کہ "الیزے ایک کامیاب جج ہے اور اس کی منزل بہت آگے ہے۔ تم اس گھر میں تو رہ سکتے ہو مگر الیزے کے کسی معاملے میں مداخلت کی تمہیں اجازت نہیں ہو گی۔۔۔ تم یہ مت سمجھنا کہ ان دس سالوں میں تم ہم سے بے خبر رہے ہو تو ہم بھی تم سے بے خبر تھے۔ تمہاری پل پل کی خبر تھی مجھے۔ تم نے کس کس تاریخ پر کس کس کے ساتھ کہاں کہاں سفر کیا؟؟ کس پر کتنا پیسہ اڑایا۔۔ کب تمہارا پیسہ ختم ہوا اور کب سب نے تمہیں چھوڑا۔ مختصر یہ کہ میرے بعد تم چاہو تو سب کے ساتھ رہنے آجانا مگر میرے خاندان میں سے کسی کو بھی پریشان کرنے کی تمہیں اجازت نہ ہو گی۔"

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد شہزاد کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بنا وہ دوبارہ بولے "تمہارا بہت شکریہ کہ تم میرے ایک بار بلانے پر آئے، اب جا سکتے ہو۔۔ میں کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

شہزاد کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔۔۔ وہ فیصل کو مخاطب کر کے بولا "بابا میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں، میں بھی آپ کی فیملی کا حصہ ہوں۔"

فیصل ڈوگر نے بند آنکھیں کھولیں اور غصے سے بھری آواز میں تقریباً چلا کر بولے "سلطان شہزاد ڈوگر تم میرے بیٹے ضرور ہو، مجھے اس سے انکار نہیں۔۔ مگر تم میری فیملی کا حصہ نہیں ہو۔ تم شاید بھول رہے ہو آج سے دس بارہ سال قبل تمہیں ایک فلمی رقاصہ اور فیملی دونوں میں سے ایک کو چننے کا موقع دیا گیا تھا تو تم نے فلمی رقاصہ کو چنا تھا۔ اس دن تم نے خود کو فیصل ڈوگر کے خاندان سے نکال دیا تھا۔"

فیصل ڈوگر کی سانس پھولنے لگی وہ چند سیکنڈ رکے اور پھر بولے "ایک بات اور اگر تم واپس آئے تو تمہیں اپنے چاروں بچوں کے دل میں عزت اور محبت خود بنانا ہو گی۔ الیزے نے انھیں کبھی تمہارا مکمل سچ نہیں بتایا اور ہمیشہ یہی کہا کہ جب بھی کبھی تمہارے بابا واپس آئیں تو انھیں وہی مقام دینا جو ان کا حق ہے۔ مگر یہ بھی ایک تلخ حیقیقت ہے کہ تمہارے چاروں بچے تمہارا مکمل سچ جانتے ہیں۔ گھر کا ہر ملازم، در و دیوار، ہر رشتے دار، اخبارات سب تمہارا ایک ایک سچ انھیں بتاتے رہے۔ الغرض کہ تمہیں ان کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے کے لئے خلوص نیت سے کوشش کرنا ہو گی۔ ممکن ہے ان کے دلوں میں تمہارے لئے

بہت سی کرواہٹ ہو مگر اس میں بھی تمہارا ہی قصور ہے جب انھیں تمہاری محبت اور توجہ کی ضرورت تھی تو تم اپنی محبت اور توجہ غیروں میں بانٹنے میں مصروف تھے۔"

شہزاد کے پاس کچھ جواب میں کہنے کو بچا ہی نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ ابھی وہ راہداری تک ہی بمشکل پہنچا تھا کہ ایک بہت ہی پیاری سی لڑکی جس کی عمر سولہ سترہ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ ہاتھ میں ٹرے اٹھائے فیصل کے کمرے کی طرف جارہی تھی۔ شہزاد کو دیکھ کر رک گئی اور سلام کر کے آگے بڑھ گئی۔ اس کی شکل الیزے سے اتنی ملتی تھی کہ اسے یہ جاننے میں لمحہ لگا کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا، اسے پیار کرنا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کا باپ ہے مگر وہ لڑکی رکی ہی نہیں۔

وہ گھر جہاں سلطان شہزاد ڈوگر کو شہزادہ مانا جاتا تھا۔ جہاں اس کی چاروں بہنیں اس کے نخرے اٹھاتی تھیں۔۔ جہاں اس کی بات کو سب کی بات پر فوقیت اور اہمیت حاصل تھی۔ جو اس کا اپنا گھر تھا۔۔ آج وہاں اسے اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا۔ انسان تو کیا در و دیوار بھی اسے پہچاننے سے انکاری تھے۔ شہزاد ڈوگر بہت بوجھل قدموں سے اپنے ہی گھر سے چلا

گیا۔ راہداری سے گاڑی تک پہنچتے کئی بار اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کا سامنا اپنے باقی بچوں سے بھی ہو جائے۔ بس ایک نظر ہی سہی مگر انہیں دیکھ تو لے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ گاڑی تک پہنچا ہی تھا کہ مین گیٹ کھلا اور وہاں سے نئی ماڈل کی کالے رنگ بی-ایم-ڈبلیو اندر آئی۔ شہزاد وہاں کھڑا دیکھتا رہا اور گاڑی اس کے پاس سے گزر کر آگے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ شہزاد پیچھے سے دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ الیزے ہے۔ وہ بس اسے اترتے اور اوپر چڑھتے دیکھتا رہا اور الیزے اس سے بے نیاز آگے بڑھ گئی۔

شہزاد کو اندازہ ہوا کہ ایک وقت تھا جب سب کو اس کی ضرورت تھی مگر وہ سب اپنوں کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ آج وہ آگے بڑھ کر بھی سب سے پیچھے رہ گیا تھا اور سب اس سے بہت آگے نکل چکے تھے۔ آج کسی کو بھی اس کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنی اہمیت اور وقعت کھو چکا تھا۔ شہزاد گاڑی میں بیٹھا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور لمحہ بھر میں شہزاد ڈوگر ہاوس سے باہر نکل چکا تھا۔ دو دن لگے اسے یہ فیصلہ کرنے میں کہ اسے واپس جانا ہے کہ نہیں۔ اسکے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اب کسی

اچھے ہوٹل میں مزید رہتا۔ اس وقت یہی ایک راستہ بچا تھا کہ وہ گھر واپس چلا جائے اور فیصل ڈوگر کی ہر بات مان لے۔ چار دن باقی تھے ابھی اس کے پاس ایڈوانس پیسے دے رکھے تھے اور چاہتا تھا کہ یہ چار دن وہیں گزارے۔ سامان اپنا باندھ کر رکھ چکا تھا کہ شام اسے کمرا چھوڑنا تھا۔ اس نے ریسپشن پر کال ملائی کہ کسی کو بھیجیں سامان لے کر جانے کے لئے۔

ابھی وہ ہوٹل کے لان تک ہی پہنچا تھا کہ اس کے سیل پر جانا پہچانا نمبر چمکنے لگا۔ نمبر دیکھ کر وہ حیرت میں مبتلا ہو گیا کیونکہ یہ اس کے سب سے بڑے بہنوئی کا نمبر تھا جو اس کی حرکات و سکنات کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کر چکا تھا۔ شہزاد ڈوگر نے کال اٹھائی تو آواز آئی "اسلام و علیکم ۔۔۔ تمہارے والد صاحب، فیصل ڈوگر انتقال کر چکے ہیں اور ان کی آخری رسومات کی جا رہی ہیں ۔۔ اگر ان میں شامل ہونا چاہتے ہو تو جلدی پہنچ جاو۔"

اتنا کہنا تھا کہ اس کے بہنوئی نے کال کاٹ دی اور شہزاد کو ساری زندگی کے لئے پچھتاوے میں چھوڑ دیا کہ وہ باپ کے آخری دنوں میں اس کے پاس نہیں تھا۔ جب شہزاد پہنچا تو آخری رسومات بھی تقریباً اختتام پذیر تھیں۔ تدفین کے لئے آنے والے مہمانوں اور اس

میں کچھ فرق باقی نہ تھا۔ گھر کا بیٹا ہو کر بھی کسی بھی بات کے لئے اس سے مشورہ یا مدد نہیں لی جا رہی تھی۔

ایک بہت خوبصورت اور سمارٹ کنکھریلے گھرے کالے بالوں والا سولہ سترہ سال کا لڑکا جس کا قد بلکل اس کے قد کے برابر ہو گا۔ جسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ اسے حالات نے وقت سے پہلے بہت بڑا کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی ہوئیں تھیں وہی سب معلامات دیکھ رہا تھا۔ شہزاد بہت سے اپنوں میں بلکل اجنبیوں کی طرح بیٹھا تھا۔ جنازے میں شرکت کرنے آئے مہمان حسن شہزاد سے مل کر افسوس کر رہے تھے۔ مگر کسی بھی اپنے نے شہزاد کو افسوس تو دور بات کرنے کے قابل بھی نہ سمجھا۔

مہمانوں میں سے کسی نے کہا کہ "شہزاد صاحب آپ ملے ہیں اپنے بچوں سے کیا؟ آپ کے بچے بہت ذہین اور سمجھدار ہیں بلکل اپنی والدہ کی طرح۔ بورڈ کے پیپرز میں آپ کے دونوں بڑے بچوں نے پنجاب بھر میں اول پوزیشن لی تھی، انھیں گورنمنٹ کی طرف سے اسکولر شپ ملی ہے اور دنیا میں کہیں بھی آگے پڑھنے کی آفر بھی۔۔ مگر وہ دونوں یہیں سب اپنوں میں رہ کر پڑھنا اور آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔"

شہزاد مصنوعی مسکراہٹ سے مسکراتا رہا مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ تعریف ہے اس کے بچوں کی یا طعنہ ہے اس کی ذات پر کہ وہ ایک اچھا باپ نہیں۔

تدفین سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سوائے اس کی بہنوں کے۔

شہزاد اکیلا ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیواروں کو دیکھ رہا تھا اور ایک دیوار پر لگا قد آدم آئینہ اسے منہ چڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا "تم تو اب بھی اپنی ضرورت کو پلٹے ہو ورنہ اتنے سالوں میں تمہیں یہ بھی نہیں پتا تھا کہ چھوٹے دونوں بچوں کے نام کیا ہے اور اب تک تو تم بڑے دونوں کے نام بھی بھول چکے ہوگے۔ انگلی پکڑ کر چلانے والے باپ (فیصل ڈوگر) کو تمہاری ضرورت کب کب پڑی تم اس سب سے بے خبر رہے اور تمہارے چاروں بچے تمہارے منتظر رہے کہ تم انھیں انگلی پکڑ کر چلانا سیکھاو۔ تم نے یہ بدقسمتی خود اپنے لئے چنی تھی۔ اب کس بات کا افسوس منا رہے ہو"

شہزاد کو بلکل بھی اندازہ نہ ہوا کہ وہ کتنی ہی دیر اکیلا بیٹھا رہا۔ گھڑی پر وقت دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ گھر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ ہمت کرکے بلقیس کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ کھٹکھٹایا تو اندر سے بلقیس کی روتی آواز آئی "شہزاد اپنے کمرے

میں جا کر سو جاو۔ آج مجھے تم سے بات یا ملاقات نہیں کرنی۔"

آدھے کھلے دروازے سے شہزاد ڈوگر اتنا دیکھ سکتا تھا کہ کوئی چار لوگ کمرے میں بلقیس کے علاوہ تھے اور لمحہ بھر میں یہ بھی جان گیا کہ وہ چاروں اسے کے بچے ہیں۔ جو بلقیس کی گود میں سر رکھ کر رو رہے ہیں۔ یہ وہ لمحہ تھا جب شہزاد ڈوگر کو احساس ہوا کہ اپنائیت تو یہ ہوتی ہے جب تم درد میں ہو تو تمہارا اپنا کوئی تمہارا درد بانٹنے کے لئے تمہارے پاس ہو۔۔ فیصل ڈوگر کے جانے سے اکیلا پن تو شہزاد کو بھی محسوس ہو رہا تھا مگر یہ اکیلا پن تو زمانوں پہلے شہزاد نے خود اپنے لئے چنا تھا۔

زندگی تجھ کو تیرے جبرِ مسلسل کی قسم

ہم کو قسطوں میں بٹی موت نہ مارا جائے

شہزاد کی اگلا پورا ہفتہ کسی بھی گھر والے سے صحیح سے ملاقات یا بات نہ ہوئی۔ وہ اس اجنبیت سے تھکنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب کچھ پہلے کی طرح نارمل ہو جائے۔ سب اس کے ساتھ ہنسیں بولیں اور وقت گزاریں۔ مگر وقت کب ایک سا رہتا ہے۔ بلقیس سے بھی اس کی صحیح سے

ملاقات نہ ہو پائی۔ اس کا کمرا آج بھی ویسا ہی تھا جیسے اس کے جانے سے پہلے۔ بس کمی تھی وہاں تو الیزے کی۔ شہزاد جس کو اتنے سالوں میں الیزے کی کمی کبھی محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔ کمرے میں الیزے کا کوئی سامان نہ تھا پھر بھی شہزاد کو اس کی کمی محسوس ہوتی۔ سوتے میں اس کی آواز سنائی دیتی مگر جب بھی آنکھ کھلتی تو وہ خود کو اکیلا ہی پاتا۔ یہ تنہائی اس نے دس بارہ سال پہلے خود چنی کی تھی اپنے لئے۔

اب شہزاد نے کمرے سے باہر نکلنا کم کر دیا۔ تقریبا نو پونے نو کا وقت تھا جب دروازہ کھٹکھٹا اور دوسری مرتبہ کھٹکھنے کے بعد کھل گیا۔ شہزاد آنکھیں بند کئے صوفے پر بیٹھا تھا اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ دروازہ کھٹکھٹا یا کھلا ہے۔ بلقیس نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تو اسے ماں کے لمس کی حدت محسوس ہوئی مگر اس ڈر سے کہ آنکھیں کھولوں گا تو یہ خواب ٹوٹ نہ جائے آنکھیں بند ہی کئے رکھیں۔ بلقیس نے آواز دی "شہزاد اٹھو۔۔۔ اٹھ جاو بیٹا" اس نے آنکھیں کھولیں تو بلقیس وہیں اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور شہزاد نے ماں کی گود میں سر رکھ لیا۔ بلقیس خاموش رہی اور بہت دیر تک اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی۔ کبھی ماتھا چومتی۔

بلقیس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اور لہجہ بتا رہا تھا کہ بہت رو کر آئیں ہیں وہ شہزاد کو بتا رہی تھیں کہ بہت یاد کرتے تھے فیصل تمہیں۔کوئی دن ایسا نہیں چڑھا تھا اتنے سالوں میں جب تمہارا ذکر کئے بنا اس کا اختتام ہوا ہو۔ تم نے لوٹنے میں بہت دیر کر دی۔ تمہارے انتظار کے ساتھ تمہارے لئے محبت بھی مانند پڑنے لگی۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس بات پر بھی شاید ناراض ہو کہ الیزے کی اہمیت کیوں ہے اب بھی۔ میرے بیٹے ایک وقت آئے گا جب تمہیں خود احساس ہو گا کہ ایسا کیوں ہے؟ ابھی تک تم اپنے بچوں سے نہیں ملے۔ تمہیں یقیناً یہ ناراضگی ہو گی کہ کوئی تم سے خود کیوں نہیں ملا یا تمہاری بہنیں تم سے صحیح سے کیوں بات نہیں کرتیں۔ مگر تم ایک بار سوچنا کہ کیا تم نے بیٹے، بھائی یا باپ ہونے کا کوئی بھی فرض ادا کیا۔ تم تو کبھی اپنے بچوں سے ملنے کی خاطر بھی نہیں آئے تھے"

شہزاد خاموشی اور پوری توجہ سے بلقیس کی باتیں سن رہا تھا۔۔۔ کچھ سیکنڈ رکنے کے بعد بلقیس نے دوبارہ بات شروع کی "تمہاری واپسی کیوں ہوئی یہ بات صرف میں اور فیصل جانتے تھے اور فیصل مجھے منع کر کے گئے کہ کبھی کسی سے نہ کہوں کہ تمہارے برے دن آئے تو خوبصورت لڑکیاں تمہیں چھوڑ گئیں۔ ورنہ گھر میں کوئی ساری زندگی تمہیں اپنے قریب

نہیں آنے دے گا۔ فیصل نے سب کو یہی کہا کہ تم ان کی بیماری کا سن کر واپس آنا چاہتے ہو۔ بیٹا رشتے بنانے میں اور انھیں سنوارنے میں عمر گزر جاتی ہے جنھیں تم نے پل بھر میں توڑ دیا تھا۔ اصل میں تمہیں ہمیشہ بنے بنائے رشتے اور محبتیں ملیں۔ اب تم لوٹے ہو تو صدق دل سے خود کے لئے کوشش کرو۔ تم خود سب چھوڑ کر گئے تھے۔ تب ہم سب کو تمہارے بنا رہنا نہیں آتا تھا۔ پوری رات میں جاگتی کہ شاید ابھی واپس آجاو مگر تم نہیں آئے اور پھر میں نے رات دیر تک جاگ کر انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ مجھے اور سب کو تمہارا انتظار بھی ختم ہو گیا اور عادت بھی"

وہ تعلق میں کہیں بھول گیا تھا مجھے

مستقل اس کی ضرورت تھی مگر بے معنی

شہزاد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بلقیس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم نے ایک پل بھی اس لڑکی کا نہ سوچا جس نے تمہاری خاطر اپنے خواب بھی توڑ دیئے۔ تم نے تو اپنے بچوں کے نام تک جاننے کی کوشش نہ کی۔ وقت کی ایک خوبی ہے کہ وہ ٹھہرتا نہیں۔ تب اور اب میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ تب ہم سب کو تمہاری ضرورت تھی تو ہم سب نے تمہاری منت

بھی کی اور راہ بھی دیکھی اور اب باری تمہاری ہے۔ اب تمہیں ہم سب کی ضرورت ہے تو تمہیں سب کو منانا بھی ہے اور ان کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے اس کا صبر کے ساتھ انتظار بھی کرنا ہے۔" بلقیس اپنے بہت محبت کرنے والے شوہر کو کھونے کے بعد اپنے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے بہت شکوے تھے اس سے۔ مگر اس نے سب گلے شکوے دل کے اندر دفن کر دیئے۔

وہ چاہتی تھی کہ شہزاد واپس آجائے اور ایک نارمل زندگی شروع کرے۔ آہستہ آہستہ بظاہر سب نارمل ہوتا محسوس ہونے لگا۔ بچے شہزاد ڈو گر سے بات تو کرتے مگر بلکل رسمی سی۔ شہزاد نے اپنی بہنوں کے دل سے اپنے لئے بد گمانی ختم کرنے کی کوشش کی۔ بہنوں اور بلقیس نے تو شاید معاف کر دیا مگر بچے اسے معاف نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ کہتے تو کچھ نہیں تھے مگر وہ اس کے ساتھ خود کو کمفرٹیبل محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلقیس نے کئی بار کوشش کی کہ ان چاروں کو سمجھائے کہ اب معاف کر کے زندگی کو آگے بڑھنے کا ایک موقع دیں۔ مگر تھک کر اسے الیزے سے بات کرنا پڑی۔ الیزے جو شہزاد کے واپس آنے کے بعد بلکل بھی نیچے والے حصے میں آنا چھوڑ گئی تھی۔ اس کی کوشش ہوتی

کہ شہزاد سے اس کا سامنا بلکل بھی نہ ہو جبکہ شہزاد کی کوشش ہوتی کہ کہیں بھی آتے جاتے الیزے کی ایک جھلک اسے ضرور نظر آجائے۔

الیزے نے بچوں کو سمجھایا کہ "وہ ایک بار معاف کر کے شہزاد کو خود سے محبت کرنے اور ان کے حقوق پورے کرنے کا موقع دیں۔ اگر وہ پھر بھی زیادتی کرے تو بے شک پھر دور ہو جائیں۔ ویسے بھی اللہ تعالی نے باپ کے بہت حقوق رکھے ہیں تو اپنے اللہ کی رضا کی خاطر ہی ایک موقع تو ضرور دیں وہ اپنے والد کو"

شہزاد کے لوٹنے سے ایک بار پھر ماں کو بیٹا،بہنوں کو بھائی اور بچوں کو باپ مل گیا مگر الیزے۔۔الیزے کو آج بھی شہزاد کے نام سے وحشت ہوتی تھی۔ دلوں میں جگہ بنانے میں شہزاد کو پانچ سال لگ گئے مگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔۔ کہتے ہیں نا "چور چوری سے جائے سینہ زوری سے نہ جائے" سب کچھ چھوڑنے اور لوٹنے کے بعد بھی عادت کے ہاتھوں مجبور شہزاد ڈوگر بزنس میٹنگ کے لئے سوئٹزرلینڈ گیا تو اسے وہاں اپنی ہی کلائینٹ کمپنی کی سی-ای-او جو کہ سوئس لڑکی تھی بھا گئی۔ پہلے دوستی ہوئی اور پھر بنا کسی کو بتائے اس سے وہاں کے رواج کے مطابق شادی کر لی۔ یہ خبر بلقیس ڈوگر تک بھی پہنچ گئی اسی جاسوس کے

ذریعے جسے فیصل ڈوگر نے شہزاد کی نگرانی پر متعین کیا تھا۔ بلقیس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور آنکھیں بند کر لیں۔

دو ہفتے بعد جب شہزاد ڈوگر کی وطن واپسی ہوئی تو رات بہت ہو چکی تھی۔ ملازموں سے پتا چلا کہ بلقیس سو چکی ہے، یہ کہہ کر کہ صبح آفس میں بات اور ملاقات ہو گی۔ فیصل کے گزر جانے کے بعد عدت کے دن پورے کرنے کے بعد فیصل ڈوگر کی خواہش کے مطابق بلقیس خود روزانہ آفس جانے لگیں تھیں۔ سلطان شہزاد اگلے دن آفس میں بلقیس کو بزنس کی تفصیلات بتانے انکے کمرے میں گیا تو اس کا استقبال ایک بہت زوردار تھپڑ نے کیا۔ شہزاد سمجھ نہ سکا کہ اسے یہ تھپڑ کیوں پڑا مگر پوری زندگی نخرے اٹھانے والی ماں کی آنکھوں میں غصہ اور ناراضگی دیکھ کر شہزاد ان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

گھر واپسی پر بلقیس شہزاد کے کمرے میں آئی اور اندر آ کر دروازہ بند کر دیا کہ ان دونوں کے درمیان ہوئی بات کو کوئی تیسرا نہ سن سکے۔ خدا کی کرنی الیزے بلقیس کو کچھ خاص دستاویزات دینے نیچے کے پورشن میں آئی تھی۔ بلقیس کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ شہزاد کے کمرے سے بلقیس کو بہت زور اور غصے سے بات کرتے سن کر اس کے قدم

وہیں ٹھہر گئے۔

بلقیس شہزاد سے کہہ رہی تھیں "فیصل بلکل ٹھیک فیصلے کر کے گئے ہیں۔ تم قابل اعتبار انسان ہو ہی نہیں۔ میں کئی بار فیصل سے ناراض ہوئی کہ شہزاد ہمارا اکلوتا بیٹا ہے اسے اس طرح ہر چیز سے بے دخل نہ کریں۔ ماں شاید ممتا کے ہاتھوں صحیح دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔ تمہیں بس یہ بتانا چاہتی تھی کہ یہ مت سمجھنا کہ تمہاری حرکات سے بے خبر ہوں۔ تم نے سوئس لڑکی لارہ سے وہاں کے رسم و رواج کے مطابق شادی کر لی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تم اسے چھوڑ دو کیونکہ اب تک میں اتنا تو جان ہی گئی ہوں کہ تم اسے چھوڑ بھی دو گے تو کسی اور کو اپنا لو گے۔ تم جانتے ہو ایلزے نے بڑی مشکل سے بچوں کو تمہاری طرف راغب کیا ہے۔ بہت مقروض ہو تم ہم سب کی محبتوں کے۔ تم پچھلی محبتوں اور انتظار کا قرض تو اتارنے کے قابل نہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ تمہارے باہر کے تعلقات کا میرے گھر اور گھر والوں پر کوئی اثر نہ پڑے۔ کم از کم اب کچھ بھی کرنے سے

پہلے سو بار سوچ لینا اب کی بار ایسا کچھ بھی ہوا جس سے میری فیملی ہارٹ ہوئی تو میں ایک لمحہ بھی سوچے بنا تمہیں خود گولی ماردوں گی یہ بھی بھول جاوں گی تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔

بلقیس کی آنکھیں آنسووں سے بھر گئیں تھیں مگر وہ اب فیصل ڈوگر کے بعد کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی تو خود کو مضبوط دکھاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "حیرت اس بات پر ہے کہ الیزے نے چند سال تمہارے ساتھ گزارے اور وہ تمہاری خصلت کو جان گئ کہ اس میں دھوکہ دینا موجود ہے اور میں۔۔۔اف۔۔میں ماں ہو کر نہیں جان پائی یا پھر یہ کہ میں جان کر بھی خود سے جھوٹ بولتی رہی کہ اگر موقع ملے تو میرا شہزاد۔۔ میرا لاڈلا بیٹا سلطان شہزاد خود کو ضرور بدلے گا۔ آج اس وقت تمہیں صرف اور صرف یہ کہنے یہاں آئی ہوں کہ میں تمہیں دوبارہ خود سے جڑے کسی بھی رشتے کو درد دینے کی اجازت نہیں دوں گی۔ تو تم اپنا وقت اور توجہ اپنے بچوں پر کم کرنے کے بارے میں سوچنا بھی مت۔"

شہزاد حیران پریشان ماں کو دیکھ رہا تھا کہ اسے یہ سب کیسے پتا چلا کہ بلقیس باہر نکل آئی۔ باہر نکلتے ہی اس کی نظر سامنے کھڑی الیزے پر پڑی اور بلقیس شرمندگی کے مارے اس سے آنکھیں بھی نہ ملا پائی۔ چوروں کی طرح نظریں بچاتی اور اسے دیکھ کر مسکراتی آگے

اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئ۔

زارا دروازے پر کھڑی زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور الیزے جانے کب ماضی کی وادی سے نیند کی وادی میں چلی گئ۔ زارا کی آواز پر آنکھیں کھولیں تو یاد آیا کہ آج تو سارہ کی مہندی کی رسم ہے۔ زارا اسے دیکھنے آئی تھی کہ الیزے کی تیاری میں کتنا وقت لگے گا۔ زارا کو خود کے سامنے سجا سنوارا دیکھ کر الیزے کا دل جیسے دھڑک اٹھا اور بے اختیار دعا نکلی کہ "یا رب میرے چاروں بچوں کو بہت اچھے ہمسفر عطا کرنا جو نہ صرف ان کی خوشیوں کا خیال کریں بلکہ انھیں عزت بھی دیں، ان کی قدر بھی کریں اور انھیں بے لوث محبت بھی دیں" زارا بہت خوش تھی مسکراتے ہوئے بولی "ماما کیا ہوا ہے؟؟ آپ ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں۔ ہم سب آپ کو بہت پیارا سا تیار دیکھنا چاہتے ہیں۔ اتنے سالوں میں کبھی بھی آپ کو ہم نے سجا سنوارا نہیں دیکھا۔"

ابھی زارا گلہ کرنے میں مصروف تھی کہ پیچھے سے حسن آ گیا اور زارا کو چڑاتے ہوئے بولا "چڑیل تم نے میک اپ کا سمندر لگا لیا ہے خود کو خوبصورت بنانے کے لئے، مگر خوبصورت

پھر نہیں لگ رہی۔ اب ماما کیا لگائیں گی۔"

حسن ہمیشہ ہی زارا کو اسی طرح تنگ کرتا تھا۔۔ زارا چڑتے ہوئے بولی "ماما اس موٹو سے کہیں اپنی زبان بند کرے ورنہ میں۔۔"

الیزے کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور بولی "حسن بری بات میری بیٹی تو ہے ہی راجکماری۔۔ تم اسے اس طرح تنگ مت کرو۔ اچھا بتاو محسن تیار ہوا کہ نہیں اور سارہ" حسن بولا "ماما بھائی تو تیار تھا مگر دادو نے کہیں کام بھیجا ہے۔ اور سارہ آپی کا اس چیڑیل سے پوچھیں۔ سارا میک اپ تو اس نے لگا لیا ہے وہ بیچاری کیسے تیار ہوں گی۔"

زارا ایک بار پھر چڑ گئ اور الیزے نے حسن کو محبت بھرے انداز سے تھپڑ مارتے ہوئے کہا "دوبارہ میری بیٹی کو چیڑیل کہا تو۔۔۔۔"

اب یہ عالم ہے کہ میں جو روتا ہوں امیر

ساتھ ہر آنسو کے گر پڑتا ہوں آنسو کی طرح

وہ تینوں باتوں میں مشغول تھے کہ محسن کی آواز آئی اوہ میری بیوٹی کیوئن آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ آپ کو ایک بات بتادوں آج مہندی کی رسم میں آپ نے سب سے زیادہ

خوبصورت لگتا ہے تو جلدی کریں۔ ورنہ ہم نے سارہ کی رسم حنا ہی نہیں کرنی تو اب سوچ لیں کہ کیا نقصان ہو گا آپ کے تیار نہ ہونے سے اور فٹافٹ تیار ہو جائیں"

حسن نے محسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا" کیوں بھائی ماما کے لئے کوئی شہزادہ تو نہیں ڈھونڈ رکھا آپ نے؟"اتنا ہی کہنا تھا حسن کا کہ الیزے نے اس کے کان پکڑ کر کھینچتے ہوئے بناوٹی غصے کے انداز میں کہا"باز آتے ہو کہ مار کھانی ہے"

سب زوردار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ الیزے نے انھیں کہا کہ "وہ سارہ کو کمپنی دیں اور میں اتنے میں تیار ہو جاتی ہوں۔"

الیزے نے شادی کے بعد پہلی بار لہنگا چولی پہنی۔ گولڈن لہنگا، لال چولی اور گولڈن لال کا مکس دوپٹہ۔۔اس نے لمبے گھنے گھنگریالے بالوں کی چٹیا بنا کر اس میں پھول لگائے۔

دونوں ہاتھوں میں کانچ کی میچنگ چوڑیاں۔۔ماتھے پہ ٹیکا اور سہاروں کے ساتھ جھمکے۔

الیزے تیار ہو کر باہر آنے لگی تو محسن اور حسن دونوں آگئے کہ ہم اپنی ماما کو سب سے پہلے دیکھنا چاہتے ہیں۔ دونوں بیٹے ماں کے ساتھ تصاویر لینے لگے۔ اتنے میں زارا بھی آ گئ اور الیزے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے بولی" مجھے بھی ماما کے ساتھ تصاویر لینی ہیں۔"

حسن زارا کو چڑاتے ہوئے بولا "بھائی لینے دو اس لنگور کو ساتھ تصویر۔۔ حور کے ساتھ لنگور کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ حور کو نظر لگنے کا ڈر ہوتا ہے"

زارا تو اسے مارنے اس کے پیچھے دوڑی جبکہ الیزے اور محسن وہیں کھڑے ہنسنے لگے۔

الیزے سارہ کے کمرے میں چلی گئ کہ اپنی بیٹی کی تیاری دیکھے اور کچھ وقت اس کے ساتھ گزارے۔

بلقیس سارہ کے کمرے میں آئی تو الیزے کو دیکھ کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی "میری دونوں بیٹیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔"

شہزاد ڈوگرا اپنے کمرے میں تھا جب حسن نے آ کر بتایا کہ "بابا مہمان آ گئے ہیں اور مہندی کی رسم شروع کرنے کے لئے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

سلطان شہزاد ڈوگر نے ان بہت سے سالوں میں اپنے بچوں کے دل میں جگہ بنانے کے لئے بہت محبت کے ساتھ محنت کی تھی اور آج بار بار یہ ڈر اسے سارہ کے پاس جانے سے روک رہا تھا کہ کہیں اس کا انتخاب غلط تو نہیں جو اس نے اپنی بیٹی کے لئے کیا ہے، حالانکہ اس نے پوری جانچ پڑتال کی تھی۔

باہر بہت بڑے سے لان میں شاہی قسم کے ٹینٹ لگائے گئے تھے ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی راجکماری کی مہندی کی رسم ہو۔ شہزادڈوگر جب وہاں پہنچا تو اس کی نظر سب سے پہلے سارہ کے پاس موجود الیزے پر پڑی۔ شہزادڈوگر کی دل کی دھڑکن جیسے الیزے کو دیکھ کر رک سی گئ۔ ایک گلٹی سی اس کے حلق میں اٹک گئ۔ وہ چاہ کر بھی تھوک نگل نہ سکا۔ ایسے محسوس ہونے لگا کہ اس کی سانس رک جائے گی۔

الیزے کا حسن آج بھی اس پر جادو کر رہا تھا۔ آج زمانوں بعد الیزے کو اتنا اچھی طرح دیکھا تھا۔ ورنہ کبھی مدھم سی آواز سننے کو مل جاتی اور کبھی آتی جاتی کا سایہ سا نظر آجاتا۔

"بابا۔۔بابا کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں نا" شہزاد کو ساکت حالت میں دیکھ کر محسن نے پوچھا۔

شہزادڈوگر نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ "ہاں بس سارہ کو دیکھ کر دل کو کچھ ہوا کہ وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلی جائے گی"

مہندی کی رسم بہت خوش اسلوبی سے اختتام پذیر ہوئی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ الیزے سارہ کے کمرے میں آئی۔ بہت دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ کبھی اس کے دل میں موجود مستقبل کے متعلق ڈر اور خوف کو ختم کرنے کی باتیں اور کبھی اسے

سمجھاتی بے جا ڈرنے کی وجہ سے کبھی کبھی انسان اچھے وقت کو بھی اچھے سے نہیں گزارتا۔

تقریبا دو ڈھائی گھنٹے ماں بیٹیاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں جب حسن اور زارا بھی آ گئے۔

اب بدلہ لینے کی باری زارا کی تھی تو اس نے حسن کو موٹو کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کہا "جاو بھائی کو بلا کر لاو اور سب کے لئے شاندار سی کافی بھی بنا کر لاو۔"

حسن منہ بسورتے ہوئے بولا "میں چیڑیلوں کو کافی پلانے کا شوق نہیں رکھتا۔" زارا نے تکیہ اٹھا کر اسے مارا۔

الیزے نے اٹھتے ہوئے کہا "میں سب کے لئے کافی بنوا کر بھجواتی ہوں" تو سب نے پکڑ لیا کہ ماما نہیں ہمارے ساتھ بیٹھو آج رات تو۔ محسن آیا تو سب کے پسند کے حساب سے کافی اور کچھ کھانے کی چیزیں بھی ساتھ میں لایا۔ وہ سب باتوں اور مستی میں مصروف تھے جب شہزادڈو گر سارہ سے ملنے اس کے کمرے کی طرف آیا۔ ان سب کو ایک دوسرے سے باتیں اور چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ کر اسے حسرت ہوئی کہ "کاش وہ بھی اس سب کا حصہ ہوتا۔"

کافی دیر بچوں کا اپنی ماں سے بے تکلف ہو کر ہر طرح کی بات کرتے دیکھنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ آج اس کا دل بہت بے چین تھا۔ سالوں بعد الیزے کو اتنے غور سے دیکھا تھا۔ الیزے بہت خوبصورت لگنے کے باوجود بہت کمزور لگ رہی تھی۔

پوری رات باتوں میں گزر گئ۔ فجر کی اذان کی آواز آئی تو الیزے نے کہا کہ "سب نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کرو۔ خاص کر سارہ۔"

الیزے نے تین دن کی چھٹی لے رکھی تھی۔ الیزے کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ بار بار اس کی سانس پھول جاتی اور کبھی کبھی تو ناک یا منہ سے خون کے قطرے بھی نکلتے۔ یہ سب بچوں سے چھپانا بہت مشکل تھا مگر الیزے تو درد چھپانے میں ماہر تھی اس لئے اتنا سب بھی باآسانی چھپانے میں کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی بنا کسی درد کے اپنی زندگی کی شروعات کرے۔

بارات کے دن سارہ اور زارا کو تیار کرنے کے لئے شہر کی مشہور ترین بیوٹیشن سے گھر آ کر تیار کرنے کا وقت لے رکھا تھا، مقررہ وقت پر وہ اپنی ٹیم کے ساتھ پہنچ گئ۔ دو لڑکیاں زارا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کو تیار کرنے لگیں جب کہ باقی سب سارہ کی تیاری میں مگن تھیں۔ جب بلقیس کمرے میں آئی اور حکم صادر کر کے گئی کہ الیزے کو کہنا "وہ بھی بیوٹیشن سے ہی تیار ہو۔"

الیزے ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے، کوئی بھی اگلا پل اس زندگی کا آخری پل ہو گا۔ وہ سب کو خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتی تھی۔

سارہ کی شادی کی تصاویر لینے اٹلی سے مشہور فوٹو گرافر اسابیلا کو بلوایا گیا تھا۔ جب سارہ اور زارا تیار ہو گئیں تو اسابیلا ان کی تصاویر لینے لگی۔ جب کہ بیوٹیش بلقیس کی ہدایت کے مطابق الیزے کو تیار کرنے لگی۔ بلیک گاون پر بہت نفاست سے ہوئے سلور کام، سلور دوپٹہ اور ساتھ میں وائٹ گولڈ کی جیولری میں الیزے کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

محسن اور حسن نے بلقیس کے ساتھ مل کر بہت خوبصورت اور الیزے کی شخصیت کے مطابق شاپنگ کی تھی۔ الیزے تیار ہو کر بلقیس کے ساتھ باتیں کرتی کمرے سے باہر آ رہی تھی جب شہزاد ڈو گرنے اس کا عکس دیوار پر لگے قد آدم آئینہ میں دیکھا۔ شہزاد بنا آنکھیں چھپکے اسے دیکھتا رہا، الیزے کا عکس بھی اس کے دل کو دھڑ کانے کے لئے کافی تھا۔

ہم ایک شہر میں جب سانس لے رہے ہوں گے

ہمارے بیچ زمانوں کے فاصلے ہوں گے

آج شہزاد کے دل میں خواہش جاگی کہ ایک بار بس الیزے اس سے بات کرے، اور وہ اپنی ہر غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ سکے۔ (مگر کیا معافی مانگ لینے سے الیزے سے ساتھ ہوئی زیادتی کا کفارہ ادا ہو جائے؟ کیا معافی مانگنے پر الیزے معاف کر دے گی؟ کیا معافی مانگنے سے وقت پچیس سال پیچھے چلا جائے گا؟؟ کیا معافی مانگ لینے سے الیزے اس کی زندگی میں دوبارہ شامل ہو جائے گی؟؟"

وہ یہ سب نہیں جانتا تھا، وہ تو بس ایک بار الیزے کو جی بھر کر دیکھنا، سننا اور معافی مانگنا چاہتا تھا۔ پاس بیٹھی بہن شہزاد کی حالت دیکھ رہی تھی بولی "انسان ہر چمکتی چیز کو سونا جان کر اس کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے یہ دیکھتا ہی نہیں کہ ہیرا تو اس کے اپنے دامن میں پڑا ہے۔ آپ نے نقلی چمک دمک کو اصلی پر فوقیت دی۔ بھائی الیزے جیسی عورت آج بھی چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو نہیں ملے گی۔"

شہزاد جانتا تھا کہ جو بھی ردا کہہ رہی ہے بلکل صحیح کہہ رہی ہے۔۔۔اسی لئے وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔۔۔ردا بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آپ کو تو شاید پتا بھی نہیں ہو گا کہ ہمارے بابا فیصل ڈوگر نے الیزے کی دوبارہ شادی کروانے کا فیصلہ کیا تھا۔اس کے لئے بہترین ہمسفر ڈھونڈا جسے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ الیزے چار بچوں کی ماں ہے۔ مگر الیزے نے سختی سے منع کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں ایک شادی کا تجربہ اتنا تلخ تھا کہ وہ اور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بچوں کو ماں اور باپ دونوں کا وقت، توجہ اور محبت دینا چاہتی تھی۔ برا یہ نہیں ہوا تھا کہ الیزے نے آپ کو کھویا بلکہ برا یہ ہوا تھا کہ آپ نے اس جیسی اچھی لڑکی ہمیشہ کے لئے کھودی۔"

رخصتی کی ساری رسمیں بہت اعلی اور شاندار طریقے سے سرانجام پائیں۔سارہ کے جانے کے وقت ایک عجیب سا درد بھرا ماحول تھا۔ ہر انسان کی آنکھ میں آنسو تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ بیٹی اپنی نئی زندگی شروع کر رہی ہے کہ دکھ کے آنسو ہیں کہ وہ ان سب سے دور ہو رہی ہے۔

الیزے کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ وہ سارہ کے رخصت ہوتے ہی سب سے نظریں چرا کر اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر کچھ پھٹ گیا ہے۔ اسے متلی سی ہو رہی تھی، واش روم گئی تو خون کی بہت بڑی الٹی آئی۔ دروازہ کھٹکھنے کی آواز پر ایک دم چونک گئی۔ واش روم کے دروازے کے باہر کھڑی زارا پوچھ رہی تھی "ماما کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں نا۔ محسن بھائی نے بھیجا ہے کہہ رہے تھے ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی دیکھ کر آو"

بمشکل اپنی سانس نارمل کرتے الیزے بولی "جی میری جان بس سر میں درد تھا بہت تو سوچا کپڑے بدل کر کافی پیتی ہوں" تقریبا پندرہ بیس منٹ بعد خود کو بلکل نارمل کر کے منہ ہاتھ دھونے اور کپڑے بدلنے کے بعد الیزے واش روم سے باہر آئی تو زارا وہیں موجود تھی۔

الیزے زارا کو دیکھ کر بولی "آپ گئی نہیں بیٹا جی کپڑے بدلنے۔ یہاں کیوں بیٹھی ہوا بھی تک۔"

زارا نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا "ماما کیا آپ سارہ آپی کے جانے کی وجہ سے پریشان

ہیں؟"

الیزے مسکرا دی "ہاں اسی بات کو لے کر دل اداس ہے۔"

زارا الیزے پر مسکراہٹ لانے کے لئے اپنے شرارتی انداز میں بولی "میں تو بہت خوش ہوں اب کم از کم بھائی اور حسن آپی کی طرح میری عزت کریں گے اور بات بھی مانیں گے۔"

دروازے میں کھڑا حسن ایک دم بولا" توبہ توبہ یہ منہ اور مسور کی دال۔۔ بھئی عزت کروانے کے لئے انسان میں خود بھی کچھ قابلیت ہونی چاہیے۔بتاو اپنی ایک خوبی جس کی وجہ سے میں تمہاری عزت کروں چیڑیل۔"

زارا حسن سے ناراض ہوتے ہوئے بولی "جاو بچو میں بھی اب سے تمہیں کبھی سپورٹ نہیں کروں گی بلکہ جب جب تم بنا بتائے گاڑی لے کر جاوگے میں تمہیں دادو سے ڈانٹ پڑواوں گی۔۔۔بہت مہنگا پڑے گا یہ سودا تمہیں"

الیزے نے دونوں کی بحث سن کر مسکراتے ہوئے پوچھا " محسن کہاں ہے؟" تو پتا چلا کہ وہ شہزاد کے پاس گیا ہے۔ ویسے تو سارے بچے ہی بہت سمجھدار تھے۔ مگر محسن میں پختگی

وقت سے بہت پہلے آ گئ تھی۔ تہجد کے قریب رات ڈھائی تین بجے جب ڈو گر ہاوس میں سب طرف سائیں سائیں ہو رہا تھا تو الیزے اٹھی اور شہزاد کے کمرے کی طرف آئی۔ الیزے کا خیال تھا کہ سارا دن کی مصروفیت اور تھکاوٹ کی وجہ سے سب سو چکے ہوں گے۔

ہم ایک شہر میں جب سانس لے رہے ہوں گے
ہمارے بیچ زمانوں کے فاصلے ہوں گے

آج شہزاد کے دل میں خواہش جاگی کہ ایک بار بس الیزے اس سے بات کرے، اور وہ اپنی ہر غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ سکے۔ (مگر کیا معافی مانگ لینے سے الیزے سے ساتھ ہوئی زیادتی کا کفارہ ادا ہو جائے ؟ کیا معافی مانگنے پر الیزے معاف کر دے گی؟ کیا معافی مانگنے سے وقت پچیس سال پیچھے چلا جائے گا؟؟ کیا معافی مانگ لینے سے الیزے اس کی زندگی میں دوبارہ شامل ہو جائے گی؟؟"

وہ یہ سب نہیں جانتا تھا،وہ تو بس ایک بار الیزے کو جی بھر کر دیکھنا،سننا اور معافی مانگنا چاہتا تھا۔پاس بیٹھی بہن شہزاد کی حالت دیکھ رہی تھی بولی "انسان ہر چمکتی چیز کو سونا جان کر اس کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے یہ دیکھتا ہی نہیں کہ ہیرا تو اس کے اپنے دامن میں پڑا ہے۔ آپ نے نقلی چمک دمک کو اصلی پر فوقیت دی۔ بھائی الیزے جیسی عورت آج بھی چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو نہیں ملے گی۔"

شہزاد جانتا تھا کہ جو بھی ردا کہہ رہی ہے بلکل صحیح کہہ رہی ہے۔۔۔اسی لئے وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔۔۔ردا بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آپ کو تو شاید پتا بھی نہیں ہو گا کہ ہمارے بابا فیصل ڈوگر نے الیزے کی دوبارہ شادی کروانے کا فیصلہ کیا تھا۔اس کے لئے بہترین ہمسفر ڈھونڈا جسے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ الیزے چار بچوں کی ماں ہے۔مگر الیزے نے سختی سے منع کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں ایک شادی کا تجربہ اتنا تلخ تھا کہ وہ اور نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ اپنے بچوں کو ماں اور باپ دونوں کا وقت، توجہ اور محبت دینا چاہتی تھی۔ برا یہ نہیں ہوا تھا کہ الیزے نے آپ کو کھویا بلکہ برا یہ ہوا تھا کہ آپ نے اس جیسی اچھی لڑکی ہمیشہ کے لئے کھو دی۔"

رخصتی کی ساری رسمیں بہت اعلی اور شان دار طریقے سے سر انجام پائیں۔ سارہ کے جانے کے وقت ایک عجیب سا درد بھرا ماحول تھا۔ ہر انسان کی آنکھ میں آنسو تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ بیٹی اپنی نئی زندگی شروع کر رہی ہے کہ دکھ کے آنسو ہیں کہ وہ ان سب سے دور ہو رہی ہے۔

الیزے کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ وہ سارہ کے رخصت ہوتے ہی سب سے نظریں چرا کر اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر کچھ پھٹ گیا ہے۔ اسے متلی سی ہو رہی تھی، واش روم گئی تو خون کی بہت بڑی الٹی آئی۔ دروازہ کھٹکھنے کی آواز پر ایک دم چونک گئی۔ واش روم کے دروازے کے باہر کھڑی زارا پوچھ رہی تھی "ماما کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں نا۔ محسن بھائی نے بھیجا ہے کہہ رہے تھے ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی دیکھ کر آو"

بمشکل اپنی سانس نارمل کرتے الیزے بولی "جی میری جان بس سر میں درد تھا بہت تو سوچا کپڑے بدل کر کافی پیتی ہوں" تقریبا پندرہ بیس منٹ بعد خود کو بلکل نارمل کر کے

منہ ہاتھ دھونے اور کپڑے بدلنے کے بعد الیزے واش روم سے باہر آئی تو زارا وہیں موجود تھی۔

الیزے زارا کو دیکھ کر بولی "آپ گئ نہیں بیٹا جی کپڑے بدلنے۔یہاں کیوں بیٹھی ہوا بھی تک۔"

زارا نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا "ماما کیا آپ سارہ آپی کے جانے کی وجہ سے پریشان ہیں؟"

الیزے مسکرا دی "ہاں اسی بات کو لے کر دل اداس ہے۔"

زارا الیزے پر مسکراہٹ لانے کے لئے اپنے شرارتی انداز میں بولی "میں تو بہت خوش ہوں اب کم از کم بھائی اور حسن آپی کی طرح میری عزت کریں گے اور بات بھی مانیں گے۔"

دروازے میں کھڑا حسن ایک دم بولا "توبہ توبہ یہ منہ اور مسور کی دال۔۔بھئ عزت کروانے کے لئے انسان میں خود بھی کچھ قابلیت ہونی چاہیے۔بتاو اپنی ایک خوبی جس کی وجہ سے میں تمہاری عزت کروں چیڑیل۔"

زارا حسن سے ناراض ہوتے ہوئے بولی "جاو بچو میں بھی اب سے تمہیں کبھی سپورٹ نہیں کروں گی بلکہ جب جب تم بنا بتائے گاڑی لے کر جاو گے میں تمہیں دادو سے ڈانٹ پڑواوں گی۔۔۔ بہت مہنگا پڑے گا یہ سودا تمہیں"

الیزے نے دونوں کی بحث سن کر مسکراتے ہوئے پوچھا " محسن کہاں ہے؟" تو پتا چلا کہ وہ شہزاد کے پاس گیا ہے۔ ویسے تو سارے بچے ہی بہت سمجھدار تھے۔ مگر محسن میں پختگی وقت سے بہت پہلے آ گئ تھی۔ تہجد کے قریب رات ڈھائی تین بجے جب ڈو گرہاوس میں سب طرف سائیں سائیں ہو رہا تھا تو الیزے اٹھی اور شہزاد کے کمرے کی طرف آئی۔ الیزے کا خیال تھا کہ سارا دن کی مصروفیت اور تھکاوٹ کی وجہ سے سب سو چکے ہوں گے۔

حیقیقتوں میں زمانہ بہت گزار چکے

کوئی کہانی سناو بہت اندھیرا ہے

ایک بار، دوسری بار، تیسری بار دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی نہ کھلا، وہ تو مایوس ہو کر واپس پلٹنے لگی کہ اتنے میں دروازہ کھل گیا۔ الیزے کو اپنے سامنے اپنے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑا دیکھ کر شہزاد حیران سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ پچھلے دس سالوں میں جب سے شہزاد کی واپسی ہوئی الیزے کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ شہزاد سے اس کا سامنا نہ ہو۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر شہزاد کو لگا کہ وہ پل قبولیت کا تھا جب اس نے الیزے کے ملنے کی دعا کی تھی۔ شہزاد کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس وقت الیزے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے، رنگت بلکل پیلی پڑی ہوئی۔

ایسے لگ رہا تھا کہ الیزے صدیوں کی مسافت طے کر کے یہاں تک آئی ہو۔ شہزاد اسے دیکھ کر جتنا خوش ہوا، اس سے کہیں زیادہ پریشان۔ شہزاد جانتا تھا کہ الیزے بہت خودار ہے تو وہ کبھی کسی حال میں بھی اس کے سامنے نہیں جھکے گی اور اب وہ اسے جھکانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ شہزاد نے پریشانی والے انداز میں الیزے سے پوچھا "سب ٹھیک ہے نا۔ کیا ہوا ہے؟؟! اتنی رات کو میرے کمرے میں آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

ان سب سوالوں کا جواب دینے کی بجائے الیزے نے سوالیہ انداز میں پوچھا کیا میں اندر آ

سکتی ہوں؟:

اس کے جواب میں شہزاد دروازے سے ہٹ گیا اور اسے اندر نے کا راستہ دے دیا۔

الیزے کمرے میں آتے ہوئے بولی "پلیز دروازہ بند کر دیں، میں نہیں چاہتی کہ میں جو بات کرنے آئی ہوں کوئی بھی اور سنے۔"

قسمت بھی کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ محسن اور زارا کچن میں کافی بنا رہے تھے جب انھیں دروازہ کھٹکھنے کی آواز سنائی دی اور ایک جھلک دیکھنے پر پریشان ہو گئے کہ الیزے شہزاد کے کمرے کے باہر کیوں ہے؟ زارا تو آگے بڑھ کر پوچھنے والی تھی مگر محسن نے منع کر دیا۔

الیزے کے اندر جانے کے بعد وہ اس کمرے کی طرف آئے۔ اندر بلکل خاموشی تھی۔ شہزاد کو بہت کچھ کہنا تھا معافی مانگنی تھی مگر اس کو کب پتا تھا کہ اس کی دعا اس طرح قبول ہو جائے گی۔ الیزے کو بھی بہت کچھ کہنا تھا مگر کہاں سے بات شروع کرے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ محسن اپنی ماں کو جانتا تھا، وہ پریشان تھا کہ ایسا کیا ہوا ہے کہ الیزے کو شہزاد کے کمرے میں جانا پڑا۔

الیزے آخر خاموشی توڑتے ہوئے بولی "معذرت خواہ ہوں کہ اتنی رات کو آپ کو پریشان کیا، شاید آپ سو رہے تھے۔ مگر مجھے اس سے بہتر وقت نہیں مل سکتا تھا آپ سے بات کرنے کا۔ جو میں کہنے جا رہی ہوں وہ صرف آپ تک محدود رہے۔ میرے بچوں یا کسی بھی اور کو کم از کم میری زندگی تک پتا نہ چلے۔"

شہزاد الیزے کی بات پر پریشان ہوتے ہوئے بولا "کیا ہوا سب خیریت ہے نا"

الیزے بہت تھک گئ تھی وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "میں جانتی ہوں کہ آپ کی بیوی ہے کوئی سوئس لڑکی، مجھے آپ کی ذاتی زندگی سے کوئی سروکار نہیں۔ بس میں اتنا چاہتی ہوں کہ میرے بچوں کی زندگی میں آپ کا ساتھ اب کبھی ختم نہ ہو۔ کبھی بھی کچھ ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی ذاتی زندگی کی وجہ سے میرے بچوں کو مکمل وقت نہ پائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود کو اکیلا محسوس کریں۔ میں آپ کی جگہ تو نہیں لے سکی کبھی بھی مگر میں نے ہمیشہ پوری کوشش کی کہ انھیں آپ کی کمی محسوس نہ ہونے دوں۔ میں اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کر چکی ہوں۔ اب آپ کی باری ہے۔ میرے بعد میرے بچوں کا پورا خیال رکھنا اور

کوشش کرنا کہ میری کمی انھیں کبھی محسوس نہ ہو۔"

زارا جو سب سن چکی تھی اندر جانے لگی پوچھنے کہ "ماما آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہی ہیں۔" مگر محسن نے بازو سے پکڑ کر منع کر دیا کہ وہ ماں کی مکمل بات جاننا چاہتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ درمیان میں مداخلت کرنے سے الیزے بات بدل لے۔ اسے عجیب سا ڈر تھا۔ اس نے زارا کو اشارے سے خاموشی سے کھڑے ہونے کے لئے کہا۔

شہزاد بے چین ہو کر بولا "میں کچھ سمجھا نہیں کہاں جا رہی ہو تم۔"

الیزے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انھیں چھلکنے سے روکتے ہوئے بولی "میں بہت دور جا رہی ہوں آپ سب کی دنیا سے، وہاں جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔"

باہر کھڑی زارا بے چین ہو گئ کہ اس کی ماں کیسی باتیں کر رہی ہے جبکہ محسن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہی ہوا جس کا محسن کو ڈر تھا۔

پچھلے دس سال سے الیزے کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین شہزاد آج اسے نظر اٹھا

کر دیکھ بھی نہیں رہا تھا پریشان ہوتے ہوئے بولا "مجھے اب بھی سمجھ نہیں آئی کیا مطلب ہے اس بات کا۔"

الیزے نے اپنا تھکا ہوا سر بمشکل اونچا کیا اور بولی "مجھے بلڈ کینسر ہے اور لاسٹ اسٹیج ہے۔ کوئی بھی اگلا پل میری زندگی کا آخری پل ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنی بیماری کو اب تک سب سے چھپایا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری زندگی میں میرے بچوں کو یہ بات پتا چلے۔ میں انھیں ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتی۔ میرے بچے میری طاقت ہیں۔ میں آپ سے صرف یہی درخواست کرنے آئی ہوں کہ آپ اپنی ذاتی مصروف زندگی سے میرے بچوں کو وقت اور محبت دینے میں کمی نہ کرنا۔ انھیں میرے بعد میری کمی محسوس نہ ہو۔ کوشش کرنا کہ انھیں میرے حصے کا وقت بھی دے پائیں۔ کوشش کرنا کہ صرف باپ نہیں بلکہ بہترین دوست کی جگہ لے لیں اور وہ اپنے دل کی ہر بات بآسانی آپ سے شئیر کر سکیں۔"

شہزاد اپنے آنسو روک نہیں پایا۔ الیزے کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا "میں جانتا ہوں میں مجرم ہوں تمہارا۔ مگر ایسی سزا مت دو مجھے۔ تمہارا اس گھر میں ہونا اس گھر کو مکمل کرتا ہے۔ تمہارا احسان ہے مجھ پر کہ تم نے میری زیادتیوں کی سزا مجھ سے جڑے

کسی انسان کو نہیں دی۔ ایسی بات مت کرو اور کوئی بھی سزا دے دو مجھے۔ مگر یہ سزا مت دو۔"

الیزے کی سانس پھولنے لگی اور وہ بمشکل بولی "میں کون ہوتی ہوں کسی کو بھی سزا دینی والی۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ میرے بعد آپ بچوں کا مکمل خیال رکھیں۔ اگر آپ نے میرے بچوں کا ماں اور باپ دونوں بن کر خیال رکھا تو قسم ہے میرے پیدا کرنے والے کی میں نے آپ کی ہر زیادتی معاف کی"

شہزاد کی آواز لرزنے لگی اور آنسوں کی بارش آنکھوں سے برسنے لگی۔۔ بہت مشکل سے الفاظ کی ادائیگی کرتے ہوئے بولا "میری زندگی میں اب ان بچوں اور گھر کے سوا کوئی بھی نہیں، وہ سوئس لڑکی لارا بھی مجھے چھوڑ گئ اور اس کے جانے کے بعد میں نے طے کر لیا کہ اب اپنی زندگی اپنے بچوں اور گھر والوں کے ساتھ گزاروں گا۔ الیزے پلیز مجھے چھوڑ کر کہیں مت جاو، مجھے یہی سکون رہتا ہے کہ میں اس چھت میں رہتا ہوں جہاں تم رہتی ہو۔ میرے لئے تمہارا اتنا ساتھ بھی بہت ہے۔"

الیزے کو متلی محسوس ہوئی اور اس نے منہ کے آگے دوپٹہ رکھا تو سارا خون سے بھر گیا۔ الیزے نے چھپانے کی کوشش کی مگر شہزاد نے دیکھ لیا۔۔۔اس نے یہ سب تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ شہزاد کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے روتے ہوئے بولا "الیزے پلیز تم مت جاو کہیں۔۔ میں بچوں کو تمہاری طرح نہیں سنبھال پاوں گا۔ پلیز بچوں کو، امی کو، اس گھر کو اور سچ میں مجھے بھی تمہاری عادت اور ضرورت ہے۔۔ تم اس گھر میں ہو تو یہ گھر جنت ہے۔۔ تم مجھ سے دور رہتی ہو تب بھی میں مطمئن رہتا ہوں کہ میں جنت میں رہ رہا ہوں یہی میری خوش نصیبی ہے"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تلخ اتنی تھی پینے سے زباں چلتی تھی
زندگی آنکھ کے پانی میں ملالی ہم نے

محسن اور زارا دونوں ہی باہر کھڑے رو رہے تھے۔ الیزے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو شہزاد ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولا "الیزے مجھے معاف کردو۔ میں جانتا ہوں میری

زیادتیوں کے لئے معافی بہت چھوٹا لفظ ہے مگر اس سے بڑا کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔"

الیزے بہت پھیکی مسکراہٹ مسکراتے ہوئے بولی: مجھے کوئی شکوہ ہی نہیں، مجھے وہی ملا جو میرے نصیب میں تھا۔ آپ کوشش کرنا کہ میرے بچے کبھی کسی درد اور تکلیف سے نہ گزریں۔:

محسن اور زارا دونوں کمرے کے دروازے سے سائیڈ پر ہٹ گئے۔ الیزے باہر آئی اور شہزاد چاہ کر بھی اسے روک نہ پایا یہ حق بہت سال پہلے کھو چکا تھا۔ الیزے جتنی خاموشی سے آئی تھی اتنی ہی خاموشی سے چلی گئی۔

زارا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے محسن کے کمرے میں آ گئی اور روتے ہوئے بولی "بھائی آپ تو ہمیشہ میری ہر پریشانی دور کر دیتے ہو۔۔ بھائی آپ ماما کو روک لو۔ پلیز ماما کے بغیر ہم کیسے رہیں گے" اور دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

حسن کمرے میں آیا تو انھیں روتے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور وجہ پتا چلنے پر وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔ روتے روتے کب ان سب کی آنکھ لگی خبر نہیں مگر شہزاد کی تو جیسے نیند ہی کہیں بھاگ گئی۔ رات گزری اور دن چڑھا۔ محسن اور زارا نے سارہ کا ناشتہ لے کر اس کے

گھر جانا تھا۔ فجر کے بعد الیزے سوئی ہی نہیں، اسے اپنی بیٹی کی پسند کی ہر چیز خود تیار کرنا تھی۔

جس وقت الیزے ناشتے کی تیاری میں مصروف تھی۔ محسن نے خاموشی سے اس کے کمرے کی تلاشی لی اور اس کی میڈیکل رپورٹس ڈھونڈ کر نکال لیں جو الیزے نے کیس فائلز کے نیچے چھپا رکھی تھیں۔ صبح صبح سات بجے کے لگ بھگ محسن شہزاد ڈوگر کے کمرے کے باہر کھڑا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ کچھ دو منٹ بعد آواز آئی "اندر آجاو"

محسن بظاہر بہت مضبوط لگ رہا تھا مگر اس کے اندر جیسے ایک عجیب ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ شہزاد ڈوگر نے پوچھا: خیریت اتنی صبح تم یہاں۔۔ماما ٹھیک ہیں نا تمہاری۔"

اس بات کے جواب میں محسن نے کچھ کہنے کی بجائے الیزے کی میڈیکل رپوٹ سامنے رکھ دی۔

شہزاد ڈوگر گھبرا کر بولا "یہ کیا ہے؟؟"

محسن نے شہزاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "سوری بابا دراصل میں نے کل رات آپ کی اور ماما کی ساری بات سن لی تھی۔ یہ ماما کی رپوٹس آپ کسی ماہر ڈاکٹر کو چیک کروا دیں،

ممکن ہے علاج کی کوئی صورت نکل آئے۔ بابا مجھے زارا کے ساتھ سارہ کو ناشتہ دینے جانا ہے مگر آپ کسی بھی بہانے مجھے روک لینا، میں آپ کے ساتھ ڈاکٹر پر جانا چاہتا ہوں۔ حسن اور زارا کو بھیج دینا۔"

شہزاد اپنے بیٹے کو دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ اس نے خود پر کیسا بہادری کا خول چڑھا رکھا ہے۔ الیزے نے محسن اور زارا کو بلایا کہ "سارہ کے گھر ناشتہ لے جائیں" تو پتا چلا کہ محسن تو کسی بہت ضروری کام کے لئے شہزاد کے ساتھ کہیں جا رہا ہے۔۔۔ الیزے نے حسن اور زارا کو بھیج دیا۔ سارہ اپنے بہن بھائیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ دوسری طرف محسن شہزاد کے ساتھ شہر کے مشہور ترین کینسر ہاسپٹل کے سب کے قابل ڈاکٹر مشتاق کھوکھر کے پاس پہنچ گئے۔

رپوٹ کو اچھی طرح دیکھ کر ڈاکٹر نے بتایا کہ کینسر واقع ہی آخری اسٹیج پر ہے اور وقت کتنا ہے نہیں کہا جا سکتا کوئی بھی لمحہ آخری ہو سکتا ہے۔ محسن جواب تک ضبط کئے بیٹھا تھا باپ کے سینے سے لگ کر پاگلوں کی طرح رونے لگا۔ گھر پہنچنے میں انھیں کافی وقت لگ

گیا۔ گھر پہنچے تو دوپہر کے ڈھائی بج رہے تھے۔ پتا چلا کہ الیزے تھک گئ تھی تو آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں گئ ہے۔ زارا اور حسن پہلے سے ہی اس کے پاس موجود تھے۔ محسن بھی اسی کے کمرے میں چلا گیا۔

الیزے محسن کو دیکھ کر پریشان ہو گئ، ایسے لگ رہا تھا کہ بہت رو کر آیا ہے۔ الیزے نے محسن سے پوچھا "تم تو اپنے بابا کے ساتھ کہیں گئے تھے۔ یہ اتنے تھکے ہوئے اور روئے ہوئے کیوں لگ رہے ہو۔" محسن نے رپورٹ الیزے کے سامنے رکھ دیں اور خود وہیں گر گیا۔

الیزے کچھ بول ہی نہ سکی، ایک گہری خاموشی چھا گئ کمرے میں۔ تینوں بچے الیزے سے لپٹ کر رونے لگے۔ الیزے جس نے آج تک ہمیشہ کوشش کی کہ اس کے بچوں کی آنکھ میں کوئی آنسو نہ آئے۔ آج اس کے بچے اسی کی وجہ سے اسی کے سامنے رو رہے تھے۔ اسے اپنی بے بسی پر بہت غصہ آرہا تھا۔ تینوں ہی الیزے کے کمرے میں روتے روتے سو گئے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ الیزے نے انھیں اٹھایا کہ تیار ہو جاو۔ ولیمے پر جانا ہے۔ لیٹ مت ہونا کہ سارہ منتظر ہو گی۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی تینوں تیار ہونے چلے گئے۔

الیزے بھی اٹھی کہ تیار ہو جائے۔ سفید اور میرون ساڑھی جس پر بہت نفاست سے کاپر کلر کا کام ہوا تھا۔ ساتھ میں کاپر رنگ کی بہت نفیس جیولری پہن کر الیزے بہت ہی نفاست سے تیار ہوئی۔ اندر سے ٹوٹے پھوٹے سب بظاہر بہت مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔

شہزاد اسے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ "کیسے اس نے الیزے جیسی خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی کو اتنا درد دیا تھا۔"

ولیمے کی رسم بھی بہت خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچی۔ ولیمے سے واپسی پر سارہ اور اس کے شوہر شافع شیرازی کو ڈو گر فیملی کے ساتھ گھر آنا تھا۔ مگر شافع نے منع کر دیا کہ سارہ اکیلی جائے اپنے گھر والوں کے ساتھ۔ اس کے خیال میں وہ ساتھ آیا تو سارہ کو اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزارنے کا صحیح سے موقع نہیں ملے گا۔ اس نے کہا کہ سارہ کو دو دن بعد خود لینے آئے گا اور تب رکے گا کچھ دیر۔ بظاہر خوش نظر آنے والے سب اندر سے بہت اداس تھے۔ سارہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ ایسا کیا ہوا ہے کہ ایک رات میں سب بجھے بجھے سے ہیں۔

زارا نے گھر پہنچتے ہی سب کچھ سارہ کو بھی بتا دیا۔ سب بچے کپڑے بدل کر اور فریش ہو کر الیزے کے کمرے میں آگئے، وہ سب اپنا زیادہ سے زیادہ وقت الیزے کے ساتھ گزارنا

چاہتے تھے۔ الیزے ان کے اترے چہرے دیکھ کر اداس ہو گئ اور انھیں سمجھانے لگی
"موت برحق ہے۔ اس کی بس خواہش ہے کہ اس کے چاروں بچے اس کے مرنے کے بعد
بھی ایسے ہی ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے رہیں اور کامیاب ترین انسان بنیں۔ ایسا نہ
ہو کہ اس کے مرنے کا روگ پال لیں اور زندگی انھیں روندتی ہوئی آگے نکل جائے۔"
چاروں بچے وہیں الیزے کے کمرے میں باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ الیزے اٹھی دو
رکعت نماز نفل پڑھی اور اللہ تعالی سے فریاد، مدد اور دعا مانگنے لگی کہ "اللہ سبحان و تعالی
اس کے بعد اس کے چاروں بچوں کی حفاظت کرے۔۔ آمین ثم آمین"
الیزے کو بہت نیند آ رہی تھی، ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ صدیوں سے سوئی ہی نہیں، وہیں
بیڈ پر جگہ بنا کر وہ اپنے بچوں کے درمیان سو گئ۔ صبح کے دس بج گئے۔ بلقیس کو ملازموں
سے پتا چلا کہ رات سب بچے الیزے کے کمرے میں سوئے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کہ
پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ وہ انھیں جگانے خود الیزے کے کمرے میں آئی۔ اندر آ کر اس
نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے اور سب کو آواز دی۔ سب ہی جاگ گئے سوائے الیزے
کے۔

الیزے کو اب جاگنا ہی نہیں تھا۔ آج الیزے کی زندگی کا سفر ختم ہو گیا تھا، ہر درد اور غم سے دور جا چکی تھی۔ شہزاد کی زندگی کی سزا کا سفر شروع ہوا۔ بچے پاگلوں کی طرح الیزے کو جگانے کی کوشش کرتے رہے اور شہزاد دروازے میں کھڑا سوچتا رہا کہ میری اصل سزا تو اب شروع ہوئی ہے۔ لمحہ بھر میں سب کچھ بدل گیا۔ آج شہزاد کو بلقیس کی بات یاد آئی کہ "کچھ گناہوں کی سزا نہیں ہوتی بلکہ کفارے ادا کرنے پڑتے ہیں۔"

اس نے منزل کو بے نشاں رکھ کر

میرے قدموں کو راستہ بھیجا

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842